مذہبی انتہا پسندی اور اس کا تدارک

تعلیماتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس
جی سی یونیورسٹی لاہور

5808

مذہبی انتہا پسندی اور اس کا تدارک

تعلیماتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد ھمایوں عباس شمس

مکتبہ جمالِ کرم
9۔ مرکز الاویس، دربار مارکیٹ لاھور
Ph: 042 7324948 Cell: 0321 4300441

نام کتاب .... مذہبی انتہا پسندی اور اس کا تدارک
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مولف .... ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

جنوری 2006ء

81319

تعداد 1100

صفحات 99

زیر اہتمام .... ایم احسان الحق صدیقی

ناشر .... مکتبہ جمال کرم لاہور

قیمت ...

مکتبہ جمال

042-7324948-0321-4300441

اِنتساب

پیر جسٹس محمد کرم شاہ الازہری

کے نام

آپ نے عملی و فکری اعتبار سے اعتدال و توازن

کا پیغام دیا

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول

اسلام، امن وسلامتی اور محبت ومودت کا پیغام لے کر آیا۔ باہمی نفرتوں اور کدورتوں سے جو معاشرہ آگ کے کنارے پہنچ چکا تھا اسے اخوت ومحبت سے آشنا کرنے والے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ نے دوسروں کے لئے ایثار وقربانی دینے والے ایسے افراد تیار کئے جن کی نظیر تاریخ انسانی میں نہ مل سکے گی۔ مرور زمانہ سے بعض سیاسی مقاصد اور مذہبی تعبیرات میں اختلاف کی بناء پر مختلف گروہ وجود میں آ گئے جنہوں نے بعد میں مستقل مکتب فکر کی شکل اختیار کر لی۔ باہمی محبت ومودت، نفرت وکدورت میں تبدیلی ہو گئی جس سے اغیار نے فائدہ اٹھایا حالانکہ دیگر الہامی مذاہب نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی اس سے بدتر اختلافات کا شکار ہو چکے تھے مگر انہوں نے مسلمانوں کے اس اختلاف سے فائدہ اٹھایا اور اختلافات کی اس خلیج کو وسیع کرنے کے لئے ہر طرح کی کوششیں کیں۔

دور حاضر میں جب امت کو کئی قسم کے مسائل کا سامنا ہے ان میں فروعی اختلافات کی بناء پر جنم لینے والی مذہبی انتہا پسندی بھی شامل ہے۔ ہماری صفوں کے اس انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اغیار نے ہمارے وسائل سے بھی خوب استفادہ کیا اور ہمیں بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور بھی کر دیا ہے۔ ان حالات میں ہمیں چاہیے کہ اپنے ذاتی، گروہی اور فروعی مسائل کو بھلا کر مسلمان اور انسانی برادری کے وسیع تر مفاد کے لئے ''دین اسلام'' کی تعلیمات کو پیش کریں۔

پیش نظر تحریر میں امن وسلامتی اور اعتدال وتوازن سے متعلق [illegible]

تعلیمات کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا مقصد مختلف مکاتب فکر کو دعوت اتحاد دینا ہے اور یہ عرض کرنا ہے کہ ہمیں فروعی مسائل کی آڑ میں اسلامی تشخص کو مجروح نہ کرنا چاہیے۔ سوچ وفکر کا اختلاف ایک مثبت قدر ہے اور اس میں یکسانیت پیدا کرنا تو غیر فطری ہے۔ دراصل معاشرہ میں تکثیری فکر کو تحمل و بردباری سے برداشت کرنا اور دوسرے کی رائے کا احترام کرنا ہمارا فریضہ ہے، درحقیقت یہی اتحاد کی بنیاد ہے، ہر مکتبہ فکر اپنے فکری دائرہ میں رہتے ہوئے دوسروں کو قبول کرے تو معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے۔ ایسے اتحاد کے لئے وطن عزیز کی مقتدر علمی شخصیت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ نکاتی فارمولا پیش کیا تھا یہاں اسے نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

۱۔ اتحاد کے داعی کو اپنی دعوت کی سچائی اور افادیت پر اتنا پختہ یقین ہونا چاہیے کہ اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے کسی طرح ہراساں نہ ہو۔

۲۔ زیادتی کرنیوالے فریق کو روکا جائے، جس کی حق تلفی ہو، اس کی حق رسی کی جائے خواہ اس کا تعلق کسی جماعت یا مکتب فکر سے ہو یعنی حقوق وفرائض کا پلڑا متوازن رہنا چاہیے۔

۳۔ ہر ایک فریق کو اتنا وسیع الظرف ہونا چاہیے کہ وہ دوسرے فریق کی بات سنے، اس میں دیانت داری سے غور وفکر کرے اور جس چیز کو حق جانے اسے اپنا لے۔

۴۔ عظمت رسالت اور تقدس نبوت ہی دین کی بنیاد ہے۔ اگر کسی بھی مکتب فکر کے لٹریچر میں کوئی ایسی عبارت ہو جس سے دین کی اس بنیاد پر اشارۃً یا صراحۃً حرف آتا ہو اسے حذف کر دینا چاہیے کیونکہ کوئی بھی غیرت مند مسلمان ایسی صورت حال

سے ختم نہیں ہو سکتا۔

(د) ایک دوسرے پر ... مذاہب کے ... ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد ... سے تجویز کرتے ہیں ... اسلام پر ... کے خوف سے ... سے بھی باز نہیں آتے۔ اس سلسلہ میں ایسے ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں کہ اس قسم کی غیر محتاط زبانیں بند ہو جائیں۔

اس مختصر تحریر میں مذہبی انتہا پسندی کے مفہوم، محرکات، اور تعلیمات نبوی کی روشنی میں تدارک سے متعلقہ معلومات اکٹھی کرنے کی کوشش کی ہے، علاوہ ازیں اتحاد و یکجہتی جو کہ انتہا پسندی کے خاتمہ کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ کے حوالے سے قرآن اور تعلیمات نبوت کی روشنی میں قرآن و حدیث کی اسلامی تعلیمات کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ جناب علامہ اکرم ساجد کا بہت شکریہ جنہوں نے مسودہ کو پڑھ کر مفید تجاویز دیں۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی و علی والدی وان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین

یا رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

طالب دعا

محمد ہمایوں عباس شمس

جی سی یونیورسٹی لاہور



باب اوّل

مذہبی انتہا پسندی

پھر رہے ہیں خزاں کے ہرکارے
چمن بچاؤ کہ آشیاں کا وقت نہیں

مذہبی انتہا پسندی[1] کا مفہوم:

کسی فرد یا مذہبی گروہ کا اپنے بارہ میں یہ گمان کہ اسی کی رائے یا مکتب فکر ہی حق پر ہے اور باقی تمام لوگ باطل نظریات کے پیروکار ہیں اور ان کی روش صراط مستقیم سے ہٹی ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں فروعی مسائل میں ضد اور ہٹ دھرمی کا ایسا طرز عمل اپنانا کہ بنیادی اور حقیقی مسائل نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ واضح رہے کہ تقویٰ و احتیاط اور چیز ہے۔

قرآن کریم کی اصطلاح میں انتہا پسندی کے مختلف مظاہر کیلئے درج ذیل تعبیرات ہو سکتی ہیں۔ یہ تعبیرات انتہا پسندی کے متنوع پہلوؤں/عوامل عناصر کو ظاہر کرتی ہیں۔

(۱) غلو فی الدین:[2]

دین میں کسی چیز کا جو مقام و مرتبہ ہو اسکو بڑھا کر کچھ سے کچھ کر دینا "غلو فی الدین" ہے جو محض استحباب و استحسان کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کو فرض یا واجب قرار

۱۔ (" انتہا " عربی کا لفظ ہے اور " پسندی " فارسی کا۔ اور یہ حقیقت اعتدال پسندی کے متضاد معنی دیتا ہے۔ یہ اصطلاح تو نئی ہے لیکن ہر دور اور ہر تہذیب میں اس کے لئے مفاہیم موجود رہے ہیں۔ اردو میں انتہا پسندی کے مفہوم کو اس طرح ادا کیا گیا ہے: انتہاپسندی کسی کام کو اس کے ابتدائی منازل ترک کر کے انتہائی مدارج سے شروع کرنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا، انتہاپسندانہ: جس میں انتہا پسند کے خیالات یا اقدامات کی روش پائی جائے، اعتدال سے ہٹا ہوا (اردو لغت، ترقی اردو بورڈ کراچی ۱۹۷۷، جلد ا، ص ۹۰۰) جدید عربی میں اس کے لئے التطرف، صلب کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں، حد اعتدال سے تجاوز کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ انگریزی میں انتہا پسندی کے لئے Extremism کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے المنجد اور المورد)

۲۔ سورۃ النساء: ۱۷۱۔ سورۃ المائدہ: ۷۷

دے دیا جائے اور کسی فقیہ یا مجتہد کو امام معصوم بنا دیا جائے۔حدیث میں ایا کم و الغلو فی الدین کہہ کر اہل اسلام کو اس سے منع کیا گیا ہے۔

ابوالکلام آزاد نے اس لفظ کی جو وضاحت کی ہے، حقیقتاً انتہا پسندی کی بہترین عکاس ہے "یعنی حقیقت واعتدال سے متجاوز ہو کر بہت دور تک چلے جانا۔ اگر کسی کی محبت و تعظیم پر آئے تو اتنی تعظیم کہ اسے خدا کے درجہ تک پہنچا دیا۔ مخالفت پر آئے تو اتنی مخالفت کی کہ اس کی صداقت سے ہی انکار کر دیا۔ اگر زہد و عبادت کی راہ اختیار کی تو اتنی دور تک چلے گئے کی رہبانیت تک پہنچ گئے، اگر دنیا کے پیچھے پڑے تو اتنے چھوٹ ہو گئے کہ نیک و بد کی تمیز ہی اٹھا دی گئی"۔[1]

عبداللہ یوسف علی نے اہل اسلام کو تنبیہ کی ہے:

Let our Muslims also beaware lest they fall into excesses either in doctrine or in formalism.[2]

(۲) مغضوب:[3]

وہ لوگ جنہوں نے اگر انبیاء کے پیغام کو قبول کیا تو اس کے کچھ حصہ کو تو ضائع کر دیا اور بقیہ کی کتر بیونت کر کے اپنی خواہشات کے مطابق بنا لیا۔ پس انتہا پسند وہ طبقہ ہے جس نے دین کو اسکی اصل اور حقیقی شکل میں نہ رہنے دیا۔ ہر دور کے علمائے سوء اسکی بہترین مثال ہیں۔

(۳) ضالین:[4]

جن لوگوں نے اعمال میں گمراہی اختیار کی اور وضع کردہ احکامات میں

۱۔ آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن اسلامک اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۶، جلد اول، ص: ۲۰۴

۲۔ Abdullah Yousaf Ali The Holy Quran, Text, translation abdt commentary, Shah Muhmmad Ashraf publishers Lahore1983 page:233

۳۔ سورۃ الفاتحہ: ۷

۴۔ سورۃ الفاتحہ: ۷

تحریف کی جیسے الصلوۃ، الصیام اور دیگر عبادات کے مفہوم میں خطا اور انحراف سے کام لیا۔ اس دور کے جاہل اور اجڈ صوفیہ اسکی مثال ہیں۔

(۴) جہل:۱

جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی شرارت، ظلم، یا گناہ کا کام کرنا۔

(۵) فساد فی الارض:۲

کسی چیز کا حد اعتدال سے تجاوز کر جانا- انتہا پسندی میں بھی بنیادی چیز راہ اعتدال سے ہٹ جانا ہے۔

(۶) رہبانیت:۳

رہبانیت کا معنی شدید تعبد ہے۔ انتہا پسندی کی یہ وہ عملی صورت جو دین سے برگشتگی کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "لا رھبانیة فی الاسلام" کہہ کر اسکی شدید مذمت کی ہے۔ انتہا پسندی کی یہ شکل اخلاقی تنزل، سستی و کاہلی، بدنیتی، غرور تکبر اور نا معقول احساس برتری کا سبب بنتی ہے۔

(۷) فتنہ:۴

کسی کو جبر و ظلم سے اس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کو فتنہ کہتے ہیں اور اسکو شدید جرم کہا گیا ہے۔ اسی طرح ہر قسم کا مکر و فریب، فساد، شرک، رسوائی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ یہ بہت سے اجتماعی مفاسد، اختلاف، پراگندگی اور خونریزی کا سر چشمہ ہے۔

(۸) طاغوت:۵

کسی چیز کا اپنی مناسب حد سے آگے بڑھ جانا اور سرکشی اختیار کرنا اسے

۱۔ سورۃ النساء:۱۷ ۲۔ سورۃ البقرۃ:۱۱ ۳۔ سورۃ الحدید:۲۷
۴۔ سورۃ البقرۃ:۱۹۱ ۵۔ سورۃ البقرۃ:۲۵۶

ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

ان تعبیرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''جھل'' کے نتیجہ میں انتہاپسندی (غلو فی الدین) رونما ہوتی ہے تو ''مغضوب'' اور ''ضالین'' کی صورت میں دو انتہا پسند طبقے معرضِ وجود میں آتے ہیں جس سے معاشرہ، فتنہ، رھبانیت اور طاغوت کا شکار ہو کر ''فساد فی الارض'' کا مظہر بن جاتا ہے۔

فکری اعتبار سے تجدد پسند (اپنے ورثے کو چھوڑ کر جدیدیت کے علمبردار) اور تجمد پسند (اپنی ہی رائے کو حرف آخر، حتمی، ناقابل تغیر سمجھنا) دونوں زاویہ ہائے نگاہ انتہاپسندی کے زمرہ میں شامل ہیں۔

؎ رہزنوں سے تو بھاگ نکلا ہوں
اب مجھے رہبروں نے گھیرا ہے

اور یہ دونوں رویے تباہی و بربادی کا رستہ ہیں۔ تعلیمات نبوی کا مطالعہ کریں تو وہاں اعتدال پسندی ومیانہ روی نظر آئے گی۔ اپنی فکری اساس سے پیوستہ رہتے ہوئے، فکری استقلال کے ساتھ خذ ما صفا دع ما کدر کے اصول پر کاربند ہوتے ہوئے دوسروں سے اخذ واستفادہ اور اپنی خامیوں کو دور کرنا، دوسروں کے لئے احترام کا طرز عمل اعتدال پسندی کا مظہر ہے اور یہی فوز وفلاح کی راہ ہے۔

کیا امت مسلمہ انتہاپسند ہوسکتی ہے؟

عصر حاضر میں انتہاپسندی کی اصطلاح کیلئے قرآنی تعبیرات سے یہ واضح ہے کہ امت محمدیہ کسی بھی صورت میں انتہاپسند نہیں ہوسکتی کیونکہ ایک طرف حد اعتدال کی روش سے انحراف کرنے والے تمام تر مظاہر کو قرآن نے ناپسند کیا تو دوسری طرف فرعون اور قارون کی صورت میں انتہاپسندی کے انجام کو عیاں کیا۔ قرآن کریم نے اس

امت کوایک ایسے خطاب سے نوازا جس کا احساس ہوتے ہوئے یہ امت بحیثیت مجموعی انتہا پسندی کا کبھی اور کسی بھی صورت میں شکار نہیں ہوسکتی۔ یہ ایسی امت ہے جو کندرو ہے نہ تندرو، افراط میں ہے نہ تفریط میں بلکہ ایک نمونہ ہے اور اس کے لئے ''امت وسط'' جیسی جامع ترین اصطلاح استعمال کی گئی۔

کذلک جعلنکم امۃ وسطا ۱

یہ امت معتدل ہے ہر جہت سے۔

(۱) عقیدہ کے لحاظ سے راہِ غلو اپناتی ہے نہ تقصیر وشرک کی راہ چلتی ہے۔

(۲) یہ نہ کلی طور پر دنیا میں غرق ہے کہ معنویت اور روحانیت کو بھول جائے اور نہ ہی عالم معنویت وروحانیت میں ایسی ڈوبی ہوئی کہ جہانِ مادہ سے بالکل بے خبر۔

(۳) یہودیوں کی طرح مادہ پرست ہے اور نہ عیسائیوں کی طرح رہبانیت کی دلدادہ۔

(۴) اس طرح نہیں ہے کہ اپنی معلومات پر جمود کا شکار ہو جائے اور دوسروں کے علم کی پذیرائی نہ کرے اور نہ اس احساس کمتری میں مبتلا ہے کہ ہر آواز کے پیچھے لگ جائے۔

(۵) روابط اجتماعی کے اعتبار سے یہ دنیا سے الگ تھلگ نہیں اور نہ اپنی اصالت واستقلال کو چھوڑنے والی۔

(۶) دولت پر سانپ بن کر بیٹھنا اس امت کا وتیرہ نہیں اور ذاتی ملکیت کی نفی اس شریعت کا مزاج نہیں۔۲

الغرض ''**امت وسط**'' کا لفظ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا

۱۔ سورۃ البقرۃ ۱۴۳

۲۔ تفسیر نمونہ جلد اول ص ۳۴۹، معارف القرآن جلد اول ص ۳۷۱

اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے جو عدل وانصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو، جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔[1]

احادیث- یہ امت انتہا پسند نہیں

(۱) **لاتشددوعلی انفسکم فیشدوعلیکم کان سددواعلی انفسھم فشدد علیھم فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیارات.**[2]

اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ یہ سختی تم پر لازم کردی جائے گی۔ ایک گروہ نے (انتہا پسندی کا رویہ اپنا کر) اپنے اوپر سختی کی تو اس پر سختی کی گئی، اس گروہ کے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں۔

(۲) ابوموسیٰ اشعری کو یہ نصیحت کی "نرمی کرنا سختی نہیں، خوشخبری سنانا، متنفر نہ کرنا مل جل کر رہنا، باہمی اختلاف سے بچنا۔ **یسروا لاتعسروا لا تنفروا.**[3]

(۳) دین آسان ہے اور جو انتہا پسندی کا رویہ اپنائے گا تو وہ مغلوب ہو جائے گا۔ پس سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور بشارت حاصل کرو۔[4]

(۴) کچھ لوگوں نے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کی تنہائیوں میں کیا کرتے ہیں۔ پھر ازواج مطہرات کا جواب سن کر ان لوگوں نے آپ کے عمل کو قلیل سمجھا۔ ان لوگوں سے کسی نے کہا: میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں

۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، اسلامک پبلی کیشنز لاہور جلد اول ص ۱۱۹

۲۔ ابن حجر العسقلانی، المطالب العالیہ. تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی، دارالمعرفہ بیروت، جلد اول، ص: ۱۱۷، رقم الحدیث ۴۲۲/۱ ھیثمی نورالدین علی بن ابی بکر مجمع الزوائد، بیروت ۱۹۸۶، جلد ۶ ص ۲۵۹

۳۔ بخاری، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ ومعاذ الی الیمن......

۴۔ بخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر......

گا، کسی نے کہا: میں کبھی شادی نہیں کروں گا، کسی نے کہا: میں بستر پر نہیں سوؤں گا، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کی یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیا بات ہے کچھ لوگ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں حالانکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، رات میں نماز کیلئے کھڑا بھی ہوتا ہوں نیز میں گوشت بھی کھاتا ہوں اور شادیاں بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں ہے۔[1]

(۵) حضرت سلمان فارسی نے حضرت ابودرداء سے ملاقات کی اور حضرت ام درداء کو خستہ حالی میں دیکھ کر پوچھا: ماشانک تمہارا کیسا حال ہے؟ قالت اخوک ابو الدرداء لیس له حاجة فی الدنیا. انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے بھائی ابودرداء کو دنیا سے واسطہ ہی نہیں رہا۔ حضرت ابودرداء آئے تو ان کے لئے کھانا تیار ہوا اور کہا کہ کھایئے تو وہ کہنے لگے میں روزے سے ہوں۔ سلمان نے کہا کہ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک آپ نہ کھائیں، پس انہوں نے کھایا۔ رات کو ابودرداء قیام کرنے لگے تو انہوں نے کہا سو جاؤ، پھر قیام کرنے لگے تو کہا سو جاؤ۔ جب آخر رات ہوئی تو سلمان نے کہا اب کھڑے ہو جاؤ۔ دونوں نے تہجد پڑھی پھر حضرت سلمان نے ان سے کہا: ان لربک علیک حقا ولنفسک حقا ولاهلک علیک حقا فاعط کل ذی حق حقه. آپ کے رب کا آپ پر حق ہے۔ اور آپ کے نفس کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے ہر حق والے کا حق ادا کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: صدق سلیمان. سلیمان نے سچ کہا ہے۔[2]

۱۔ بخاری محمد بن اسماعیل صحیح بخاری، کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح

۲۔ بخاری کتاب الادب، باب صنع الطعام والتکلف للضیف

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا عطا فرمودہ دین راہ اعتدال پر مبنی ہے اور اس راہ اعتدال سے انحراف انتہا پسندی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہ تھی۔

یہاں پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ انتہا پسندی کے کسی بھی رویہ کو اپنانا اسلام میں پسندیدہ نہیں لیکن ایک مسلمان کا اپنے معتقدات پر یقین کامل اور ان کی حقانیت کا ایمان انتہا پسندی نہیں۔

اسی طرح اپنے اصولوں پر استقامت وحمیت انتہا پسندی نہیں ہے۔ آیت کریمہ اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین (المائدہ:۵۴) کی وضاحت کرتے ہوئے امین احسن اصلاحی نے خوب لکھا: مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے تو وہ نہایت نرم خو، بھولے بھالے اور ہر پہلو سے لچک قبول کرنے والے اور ہر سانچے میں ڈھل جانے والے ہوں گے لیکن کافروں کے لئے وہ پتھر کی چٹان ہوں گے۔ وہ اگر اپنے اغراض ومقاصد کے لئے ان کو استعمال کرنا چاہیں گے تو کہیں سے انگلی دھنسانے کی جگہ نہ پاسکیں گے۔ مسلمانوں کی یہی تعریف ایک حدیث میں بھی وارد ہے۔ المومن غر کریم مومن اپنے دوسرے بھائی کے لئے بھولا بھالا اور شریف وکریم ہوتا ہے۔ سیدنا مسیح نے اپنے شاگردوں کو ہدایت فرمائی تھی کہ کبوتر کے مانند بے آزار اور سانپ کے مانند ہوشیار بنو۔ اس میں بھی یہی دونوں پہلو ملحوظ ہیں"۔[1]

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی کے اثرات:

ڈاکٹر مصطفی محمد الطحان کے بقول: "انتہا پسندی فرد اور معاشرے کے خلاف جرم ہے...... وہ صحیح اسلامی روح کے منافی ہے" انتہا پسندی کے معاشرہ پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خارجی اور معتزلی تحریک سے امت کو پہنچنے والے نقصان

---

[1] (تدبر قرآن جلد۲،ص:۳۱۹)

81319

سے بھی اسکا اندازہ لگایا جا سکتا ہے (ماضی میں یہ دونوں تحریکیں انتہا پسندی کی واضح مثال ہیں)۔ پاکستان میں انتہا پسندی کے اثرات درج ذیل ہیں:

(ا) اسلامی تحریکیں افرادی قوت کے غلط استعمال کی وجہ سے دیگر تحریکوں سے پیچھے رہ گئی ہیں۔ افرادی قوت کے ساتھ ساتھ کثیر مالی نقصان بھی برداشت کرنا پڑا جس کے نتیجے میں یورپ کی مختلف این جی اوز معرضِ وجود میں آئیں۔

(ب) جس طرح جنگ اپنے بعد ہولناک مسائل چھوڑ جاتی ہے اسی طرح انتہا پسندی کے عملی مظاہرہ کے بعد مختلف قسم کے جانی نقصانات نے یتیموں اور بیواؤں کا مسئلہ پیدا کر دیا۔

۱۹۸۷ء سے مارچ ۲۰۰۲ء تک ایسے واقعات میں ہلاک زخمی ہونے والے افراد کا جدول درج ذیل ہے:

سال	کل واقعات	زخمی	ہلاک
1987ء	25	153	11
1988ء	10	10	1
1989ء	67	67	10
1990ء	274	274	32
1991ء	180	263	53
1992ء	135	119	58
1993ء	90	247	39
1994ء	162	316	73

1995ء	88	180	59
1996ء	71	210	83
1997ء	97	175	200
1998ء	36	80	132
1999ء	21	45	53
2000ء	24	90	37
2001ء	54	180	154
2002ء	10	39	21
ٹوٹل	1342	2450	1016

(ج) یہ بھی ہوا کہ انتہا پسندی سے اسلام کی تصویر مسخ ہوئی۔ اسلام کو جنگ وجدل، نقض امن اور عدم برداشت کا مذھب قرار دیکر ''اسلام'' اور دھشت گردی کو مترادف قرار دے دیا گیا۔ اس دوران بہت سے لوگوں نے اپنی ذاتی دشمنیوں کو اسلامی تحریکات سے وابستہ کردیا۔

(د) ایسا کثیر مناظرانہ لٹریچر شائع ہوا جس نے جذباتیت کو پروان چڑھایا۔

(لا) عوام فکری خلفشار کا شکار ہوگئے جسکی وجہ سے جدید حلقہ ارتداد، ارتیاب اور شک کا شکار ہوگیا مگر اس فکری ارتداد کو روکنے کیلئے ''ابوبکر'' موجود نہیں۔

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی کی دو جہتیں:

پاکستان میں انتہا پسندی دو پہلوؤں سے قابل توجہ ہے۔ دونوں ۔ کے اعتبار سے جائزہ ضروری ہے لیکن مقالہ ہذا میں زیادہ زور پہلی پر دیا جائے گا اور دوسری ضمناً

شامل ہوگی۔

۱۔ بین المسالک انتہا پسندی (اہل اسلام کے مختلف مسالک کے مابین)

۲۔ بین المذاہب انتہا پسندی (یعنی عیسائیت، مسلمانوں اور دیگر الہامی وغیر الہامی مذاہب کے درمیان)

بین المسالک انتہا پسندی / مذہبی انتہا پسندی

پاکستان میں بسنے والے مختلف مکاتب فکر ایک دوسرے کے خلاف باہم دست وگریباں ہیں۔ اسکا لازمی نتیجہ تشتت وافتراق ہے۔

شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اسکا

آئمہ کے فروعی اور جزوی اختلافات پر فرقوں اور مذہبوں کی بنیاد رکھنے والے علماء نے فرقہ ہائے اسلامی کو باہمی نفرت اور نزاعات کا ذریعہ بنالیا ہے اور نفاق پرور علماء نے فقہ اسلامی کے نام پر تمام دنیا کو فتنہ وفساد سے بھر دیا۔ مختلف فرقوں کے باہمی عناد وپرخاش کا یہ عالم ہے کہ مسجد کے منبروں تک سے ایک فرقۂ غالب دوسرے فرقہ مغلوب پر لعنت بھیجتا ہے۔

ان اختلافات نے تین قسم کے انتہا پسندانہ نظریات کو فروغ دیا۔ ان تین چیزوں سے ہی پاکستانی مسلمانوں کا جذباتی استحصال کیا گیا، جس سے امت کی وحدت ہی پارہ پارہ نہ ہوئی بلکہ پاکستان بھی کمزور ہوگیا، وہ تین نظریات اور ان کے بارہ میں اسلام کی حقیقی تعلیمات کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے:

۱۔ فتاویٰ کفر ۲۔ فتاویٰ شرک ۳۔ جہادی کلچر

فتاویٰ کفر:

چند غلط فہمیوں کی بنا پر مختلف مذہبی گروہوں نے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے جس کے نتیجے میں انتہا پسندوں کے دوگروہ وجود میں آئے، حالانکہ کلمہ گو

کو کافر کہنا شریعت اسلامی میں ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ حدیث میں ہے: اذا قال الرجل لاخیه کافراً فقد باء بها احدهما۔ ۱؎ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو بے شک ان دونوں میں سے ایک ضرور اس کلمہ کفر کا حق دار ہو جاتا ہے۔

یہی وہ خطرہ ہے جسکی وجہ سے علمائے کرام اور فقہاء عظام نے تکفیر مسلم کے معاملہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھا۔ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اے بھائی اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو توفیق عطا فرمائے مسلمان کو کافر کہنے پر اقدام بڑی دشوار چیز ہے۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہوگا وہ بدمذہبوں کے کافر کہنے کو بھی خطرناک جانے گا"۔ ۲؎ یقیناً کافر کہنا بڑا ہولناک اور بڑے خطرے کی چیز ہے۔ اس سلسلہ میں سیرت نبوی سے یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب حالت جنگ میں حضرت اسامہ نے ایک مد مقابل کو عین اس وقت قتل کر دیا جب اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا ظاہر ہے کہ اس حالت میں کلمہ پڑھنا موت کے خوف کی وجہ سے ہی ہوگا مگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔ ۳؎ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک کوئی علی الاعلان ضروریات دین کا انکار نہ کرے اس وقت تک اسے مسلمان ہی سمجھنا چاہیے اور اس کے قتل سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی کلمہ گو کو کافر سمجھ کر قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی علماء اور صوفیا دونوں کے لئے مسلمہ شخصیت ہیں۔ وہ اہل قبلہ کو کافر کہنے کے بارہ میں ایک بصیرت افروز بات

۱۔ العسقلانی، احمد بن علی (م:۸۵۲ھ) فتح الباری، دارالنشر الکتب الاسلامیہ لاہور جلد:۱۲ص:۵۱۴

۲۔ شعرانی عبدالمطلب بن احمد، الیواقت والجواهر، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۷ء ج۲ص ۵۳۰

۳۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا الله

لکھتے ہیں: ''چونکہ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں ان کو کافر کہنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ وہ ضروریات دینیہ کا انکار نہ کریں اور احکام شرعیہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور جو چیز یقینی طور پر دین میں آئی ہے اسکو رد نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی میں ننانویں وجہ کفر کی ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اسکی وجہ تصحیح کرنی چاہیے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیے''۔[1] الشیخ احمد رضا خاں اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں: ''غرض ضروریات دین کے سوا کسی شی کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو کہ عندالتحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اس کا جس کی تصدیق نے اسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریات دین۔[2]

یہی وجہ ہے کہ متین محتاط علماء نے ہمیشہ کسی پر کفر کا فتوی لگانے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا۔ برصغیر کی تاریخ میں سرسید احمد خاں اس سلسلہ میں بھی مطعون ٹھہرے لیکن جید علماء نے احتیاط کی روش ہی اختیار کی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی سے علماء نے سرسید کے خلاف کفر کا فتوی مانگا۔ انہوں نے کہا کہ میں تحقیق کرلوں کہ وہ کافر ہیں بھی یا نہیں۔ چنانچہ مولانا نے تین سوال لکھ کر سرسید کو بھیجے

(۱) خدا پر آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

(۲) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

(۳) قیامت کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

سرسید نے ان سوالات کے یہ جواب دیے:

(۱) خداوند تعالیٰ ازلی وابدی مالک وصانع تمام کائنات ہے۔

۱۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی مکتوبات امام ربانی ترجمہ مولانا سعید نقشبندی کراچی دفتر سوم، مکتوب ۳۹

۲۔ محمد حنیف خاں رضوی (مرتب)، جامع الاحادیث شبیر برادرز لاہور جلد ۱۰، ص: ۱۸۶

(۲) بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

(۳) قیامت برحق ہے۔

یہ جوابات دیکھ کر مولانا نے کہا کہ تم اس شخص کے خلاف دستخط کرانا چاہتے ہو جو پکا مسلمان ہے۔[۱]

فتاویٔ شرک:

جس طرح کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر نہیں کہہ سکتے اسی طرح اسے مشرک بھی نہیں کہا جا سکتا۔ قرآن نے یہود و نصاریٰ کے کھلے شرک کے باوجود مشرک کا لفظ استعمال نہ کیا اگرچہ ان کے طرف فعل شرک کی نسبت کی۔ ہمارے ہاں کلمہ گو مسلمانوں پر شرک کے فتووں کی اس قدر بوچھاڑ ہے کہ تمام مسلمان شرک میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ ان فتووں سے انتہا پسندی کا ایک دوسرا مظہر سامنے آیا جو پہلے سے مختلف ہے۔

خورشید گیلانی مرحوم نے کفر و شرک کے ان فتاویٰ کا ذکر کس دلسوزی سے کیا ہے: ''دنیا امت محمدی کو مسلمان کے طور پر دیکھتی ہے خواہ وہ مسلمان ایران کا شیعہ ہو، پاکستان کا سنی ہو، ہندوستان کا دیو بندی ہو اور سعودی عرب کا اہلحدیث ہو، دنیا کے نقشے اور اقوام متحدہ کے دفتر میں یہ ممالک مسلمان سمجھے جاتے ہیں، کوئی انہیں مشرک، کافر، یہودی اور عیسائی ملک قرار نہیں دیتا۔ حج بیت اللہ مسلمان کرتے ہیں کوئی سکھ، ہندو حج کو نہیں جاتا، قبلہ رخ نماز مسلمان پڑھتے ہیں کوئی یہودی اور بدھ نہیں پڑھتا مگر ہم ہیں کہ ابھی ہمارے اندر کفر و اسلام کا معرکہ برپا ہے، اگر ہم ایک دوسرے کے

۱۔ صدق جدید ۱۷ ،۱۱ اکتوبر ۱۹۶۰ء بحوالہ الشریعہ گوجرانوالہ، جلد ۱۶، شمارہ: ۱۰، اکتوبر ۲۰۰۵ء، ص: ۴۶

فتوؤں کے مطابق کافر ہیں اور گمراہ، مرتد اور بدعتی ، مشرک اور گستاخ رسول ہیں تو اس جزیرے کی ضرور نشاندھی کی جائے جہاں مسلمان بستے اور سانس لیتے ہیں''۔[1]

جہادی کلچر:

مسئلہ کشمیر اور افغان جنگ کے نتیجہ میں تیس ہزار پاکستانی نوجوان داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں اور ۲ لاکھ نوجوانوں نے جہادی اور فرقہ ورانہ تنظیموں میں سرگرمی سے شرکت کی اور جہادی تنظیموں نے ان مجاہدین کے لئے دو ارب سے زائد رقم بھی خرچ کی۔ اس کے نتیجہ میں کابل ملا اور نہ ہی سری نگر لیکن پاکستان میں جہاد کے نام سے ایک ایسا کلچر وجود میں آیا جس نے مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دیا اور جہاد کے نام پر اسلامی فکر جہاد کو رسوا بھی کیا۔ جہادی تنظیموں کی بنیاد چونکہ مختلف مکاتب فکر کے دینی مدارس تھے اس لئے عوم الناس میں جنونیت کے ساتھ ساتھ اپنے مسلک کے حوالہ سے غلو کا پیدا ہونا لازمی عنصر تھا۔ (پاکستان میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والی تقریباً ۱۰۴ جہادی تنظیمیں ہیں)۔ الغرض جہادی اسلام پر مبنی فکر نے انتہا پسندی کی ایک زبردست لہر کو فروغ دیا۔ ہمارے بہترین دماغ، زندگیاں اور سرمایہ انتہا پسندی کی نذر ہو گئے۔ طالبان / القاعدہ کو دنیا بھر میں انتہا پسندی کی علامت بنا کر مسلمانوں کیلئے مسائل پیدا کئے گئے۔

انتہا پسندی کے درج بالا تین علمی /عملی افکار کے نتیجہ میں معاشرہ پر جو اثرات مرتب ہوئے اسکی بھی عموماً تین صورتیں ہی سامنے آئی ہیں:

۱۔ بے گناہوں کا قتل

۲۔ ایک جگہ ہوئے ظلم کے بدلے میں دوسری جگہ کے افراد سے بدلہ لینا۔

۱۔ خورشید احمد گیلانی، سید، خورشید گیلانی ٹرسٹ لاہور ۲۰۰۵ء ص: ۱۸

۳۔ رائے عامہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے غیر متعلق لوگوں پر ظلم کرنا۔

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی کے اسباب:

پاکستان کے معروضی حالات کے پیش نظر یہاں مذہبی انتہا پسندی کے آغاز اور پھر نشوونما کے درج ذیل اسباب ہو سکتے ہیں:

(۱) مذہب کا غلط استعمال:

پاکستان میں وڈیروں، سیاستدانوں اور علمائے سوء نے مذہب کو اپنے ذاتی پھر سیاسی مفادات کیلئے استعمال کیا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ عوام الناس شعور و علم سے عدم آگہی کی بناء پر انتہا پسند رویوں کا شکار ہو گئے۔ کئی فرقہ ورانہ تنظیموں کے پس پردہ سرمایہ داروں کا ہاتھ ہے۔ یہ لوگ مذہب کی آڑ میں کاروباری/ سیاسی رقابتیں نبھاتے ہیں۔

(۲) جہالت:

علم شریعت سے ناواقفیت کی بناء پر بھی پاکستان میں انتہا پسندی کے رجحانات پیدا ہوئے۔ دینی مدارس نے طلباء کو ضخیم لٹریچر تو ازبر کروادیا لیکن ان کے پس پردہ جو دینی روح اور فکر کارفرما تھی اس کیلئے بصیرت پیدا نہ کی، یونیورسٹیوں میں تیار ہونے والے اساتذہ نے دین کا مطالعہ صرف ثانوی مآخذ سے ہی نہ کیا بلکہ ادھورا مطالعہ ''نیم ملا خطرہ ایماں'' کا سبب بنا۔ اندھی تقلید اسی جہالت کا نتیجہ اور انتہا پسندی کا سرچشمہ ہیں۔

(۳) بیروزگاری/غربت:

ہمارے معاشرہ میں بے روزگاری اور غربت نے انتہا پسندانہ نظریات کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ تباہ حال طبقوں کی فاقہ مستی انتہا پسندی کا رنگ

ابیا رتی ہے۔ ڈاکٹر محبوب الحق نے ''جنوبی ایشیاء میں انسانی ترقی'' کے حوالہ سے ۱۹۹۷ میں ایک رپورٹ مرتب کی۔ اس کے مطابق ''اندازہ ہے کہ اس وقت غریبوں کا تناسب کل آبادی کا ۳۰% ہے جو ۱۹۹۰ میں ۲۰% تھا یعنی بہ الفاظ دیگر گذشتہ پانچ سال (۹۵-۱۹۹۰) میں انتہائی غریب افراد کی تعداد میں ۱۸ملین افراد کا اضافہ ہوگیا'' ۔ا

بھوکا آدمی صرف اپنی بھوک مٹانے کا غرض مند ہوتا ہے۔ اسے دنیا کے کسی انسان یا مذہب سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی اور جب بھوکے کو وڈیرے استعمال کریں تو انتہاء پسند طبقہ ہی معرض وجود میں آئے گا۔

(۴) غیر ملکی امداد:

بے روزگاری اور غربت کے ہاتھوں تنگ نوجوانوں (بلکہ حکومتوں نے بھی) نے غیر ملکی اشاروں پر مادی ضروریات کی تکمیل کیلئے انتہا پسند رجحانات کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ عامر رانا کے بقول: ''امریکہ نے بے پناہ وسائل اس افغان جنگ میں جھونکنا شروع کر دیئے۔ برزنسکی نے ۳ جولائی ۱۹۷۹ کو انکشاف کیا کہ جمی کارٹر نے اس مقصد کیلئے ۵۰۰ملین ڈالر کا ایک خفیہ فنڈ منظور کیا تھا۔ یہ خفیہ امریکی فنڈ عوام اور کانگریس سے بھی خفیہ رکھا گیا تھا۔ جان پلگر کے بقول: اس فنڈ کا مقصد ایک ایسی عالمی دہشت گرد تحریک کا قیام تھا جو وسط اشیا میں روسی حکومت کو ختم کرنے کیلئے اسلامی بنیاد پرستی کو فروغ دے سکے۔ امریکہ اور سعودی عرب نے افغان جنگ کے دوران افغانستان اور پاکستان کو ۴۰۵ بلین امریکی ڈالر فراہم کئے اور اسلحے اور منشیات کے کاروبار کے ساتھ ساتھ جہاد اس خطے کا اہم کاروبار بن گیا'' ۔۲

ا۔ محبوب الحق ڈاکٹر، جنوبی ایشیا میں انسانی ترقی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی، ۱۹۹۷ء، ص:۲۳

۲۔ عامر رانا، جہاد کشمیر و افغانستان، مشعل لاہور ۲۰۰۲ء ص ۱۷۔۱۸

غیر ملکی دولت، ارتکاز دولت کا سبب بھی بنی جس نے انتہا پسندی کو مادی توانائی فراہم کی۔

(۵) روحانیت کا فقدان:

بیروزگاری، غربت، غیر ملکی امداد اور مادہ پرستی کے نتیجہ میں روحانی اور اخلاقی قدریں ناپید ہوگئیں۔ خون سفید ہوگئے اور ذاتی مفادات کی بالادستی قائم ہوگئی۔ عصر حاضر کی طرف ہی اشارہ فرماتے ہوئے رحمت دوعالم نے فرمایا تھا: ''عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تمہارے خلاف دنیا کی قومیں ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح بھوکے ایک دوسرے کو خوان کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کسی نے پوچھا: کیا یہ اس وجہ سے ہوگا کہ ہم لوگ اس زمانہ میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ تعداد میں تم اس زمانے میں بہت زیادہ ہوگے لیکن اس زمانے میں تمہاری حیثیت سیلاب کے رخ پر بہنے والے خس وخاشاک اور جھاگ کی ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال باہر کرے گا اور خود تمہارے دلوں میں وھن پیدا کردے گا۔

پوچھا گیا وھن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''حب الدنیا و کراھیة الموت'' کہ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔[۱]

(۶) انتہا پسندی کے خاتمہ کی آڑ میں انتہا پسندی:

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں مذہبی انتہا پسندی کے خاتمہ کی آڑ میں انتہا پسندوں کا ایک نیا گروہ تیار ہوگیا جس نے تعقل وتفکر کے بل بوتے پر اباحیت پسندی اور مادر پدر آزادی کو اپنا لیا۔ قرآن وحدیث میں من مانی تاویلات کیں اور سلف صالحین کی سیرت وکردار کو مشکوک بنانے کی سعی مذموم کیں۔ جب تک انتہا پسندوں کا یہ گروہ موجود ہے دوسرا ختم نہیں ہوسکتا۔

۱۔ ابوداؤد کتاب الملاحم ، باب فی تداعی الامم علی الاسلام

باب دوم

مذہبی انتہا پسندی اور اس کا تدارک

تعلیماتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں

انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے نبوی ﷺ تعلیمات

امت محمدیہ کو "امت وسط" قرار دینے کے بعد انتہا پسندی کے سد باب کیلئے کوئی اور کوشش نہ بھی کی جاتی تو تنہا یہی وصف کافی تھا کیونکہ یہ "خیر امت" پر منتج ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسلام نے ایسی تعلیمات پیش کیں جن پر عمل کے نتیجہ میں انتہا پسندی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ایسی تعلیمات کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

(۱) مقاصد شرعیہ:

شریعت کے جو عمومی مقاصد ہیں وہ ازخود اس چیز کے مظہر ہیں کہ دین، نفس، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ نظام مبعوث فرمایا ہے۔[۲] ان چیزوں کی حفاظت سے معاشرتی انتشار، بے سکونی، قلبی بیماریاں ختم ہوں گی اور معاشرہ مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہوگا۔

(۲) تعصب و جاہلیت کا خاتمہ:

تعلیمات نبوی کی روشنی میں یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ کسی قسم کا تعصب اور جاہلیت کی رمق بھی اسلامی معاشرہ میں قابل قبول نہیں، جاہلیت وعصبیت سفا کی و بے رحمی کو جنم دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عصبیت کے ہر در کو بند کیا۔

لیس منا من مات علی العصبیة،لیس منامن دعاالی

ا۔ ملاحظہ فرمایئے المائدہ:۴۵، المائدہ:۳۸، النور:۲، النور:۴

مزید دیکھئے الشاطبی، ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ (م:۷۹۰) الموافقات فی اصول الشریعة مترجم عبدالرحمٰن کیلانی، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لاہور ۱۹۹۳، جلد۲ص:۱۵

العصبية،لیس منا من قاتل علی العصبیة.[1]

جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں،جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں،جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

یہ عصبیت اور جاہلیت تو آپ کو اتنی ناگوار تھی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو ماں کی گالی دی تو آپ نے اسے بھی جاہلیت سے تعبیر فرمایا:

انک امرء وفیک جاهلیة.[2]

اس ناگوار جذبہ کے تحت اپنے مکاتب فکر کے مختلف نام رکھنا اور اشتعال انگیز نعرے لگانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا۔ایک غزوہ میں گھوڑوں کو پانی پلاتے ہوئے دو افرادِ مہاجر و انصار میں تکرار ہوگئی۔جس کے نتیجہ میں دونوں نے اپنے اپنے ساتھیوں کو اے گروہ انصار اور اے گروہ مہاجرین کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے اور قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جائے مگر جوں ہی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی فوراً آپ باہر تشریف لائے اور سختی سے فرمایا:مابال دعوی الجاهلية.[3] یہ کیا جاہلیت کی پکار ہے۔

اس تعصب اور ہٹ دھرمی کے اثرات سے محفوظ صاحبان علم و دانش کے لئے حق و باطل کا معیار کوئی مکتبہ فکر یا فرد نہیں ہوتا۔وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ وہ اس حقیقت کو بنیاد بناتے ہیں کہ کیا کہا جا رہا ہے۔مولانا ابوالکلام آزاد کے بقول ”میں نے کبھی سنیوں کی کسی بات کو محض اس لئے اچھا نہیں کہا کہ وہ سنی ہیں

۱۔ابوداؤد،کتاب الادب ، باب فی العصبية

۲۔بخاری،کتاب الایمان ، باب المعاصی من امر الجاهلية

۳۔صحیح مسلم،کتاب البر والصلة والادب ، باب نصر الاخ ظالما او مظلوماً

اور شیعہ کی کسی سچائی سے انکار صرف اس لئے نہیں کیا کہ وہ شیعہ ہیں۔حق وصداقت کی طہارت، جماعت بندی کی گندگی سے آلودہ نہیں ہوسکتی''۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ حقیقت پوری طرح واضح فرمادی کہ عصبیت کا تعلق جاہلیت سے ہے۔آپ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر وہ ظالم ہے تو اسے ظلم کرنے سے روکو اور اگر مظلوم ہے تو اسے ظلم سے بچاؤ۔رسول اللہ ﷺ نے حق اور انصاف کے حصول کے لئے باہمی تعاون کو ایک شرط قرار دیا اور اس کلمے کے جاہلی مفہوم کو کالعدم قرار دیا کہ ''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم''۔[2]

(۳) فروعی مسائل میں راہِ اعتدال:

ہر فرد کی رائے ایک ہی مسئلہ پر یکساں نہیں ہوسکتی قرآن وحدیث سے استنباط مسائل میں سلف صالحین کی آراء میں تنوع ہے۔اس کے باوجود (استثنائی حالات چھوڑ کر) سلف صالحین کے دلوں میں ایک دوسرے کا احترام تھا۔جس اسلام نے مشرکین کے معبودان باطل کیلئے یہ حکم جاری فرمایا: ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔[3]

وہ مسلمان باہم کس طرح برسرپیکار ہوسکتے ہیں (اغیار کی سازشوں سے ایسا

۱۔البلاغ، ۱۸ فروری، ۱۹۱۶ء، ص:۱۱۸ بحوالہ الشریعہ گوجرانوالہ، جلد ۱۵، شمارہ:۱۱، نومبر ۲۰۰۴ء، ص ۱۸

۲۔ضیاء العمری، اکرم، مدنی معاشرہ، مترجم عذرا نسیم فاروقی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص:۳۳۰

۳۔سورۃ الانعام، آیت ۱۰۸

ضرور ہوا)۔ تاریخ اسلام میں ایسا بھی ہوا کہ مسلکی تعصب نے سقوط بغداد کا رنگ دکھایا اور آج بھی اس کا نتیجہ بزدلی، دوں ہمتی اور پست ہمتی کی صورت میں نکلا ہے۔ جب اسلام نے اہل کتاب کیلئے مشترکہ نکات کی بنیاد پر اتحاد و اتفاق کی گنجائش رکھی ہے تو اپنے مسلمان بھائیوں کیلئے اس آیت کی روشنی میں مشترکہ پلیٹ فارم پر اتحاد کیوں نہیں ہو سکتا:

قل یااھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواءٍ بیننا وبینکم .[۲]

اس سلسلہ میں ایسے علماء کے اقوال اور بعض واقعات نقل کیے جاتے ہیں جنہوں نے راہ اعتدال کو اپنایا اور انتہا پسندی کے اس زمانہ میں یہ ہمارے لئے مشعل راہ ہیں:

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منٰی میں دوگانہ کی بجائے چار رکعت ادا کیں، حالانکہ صحابہ کبار کا معمول قصر ہی تھا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب حضرت عثمان کے پیچھے نماز ادا کرتے تو چار ہی پڑھتے جب اس تضاد کا سبب پوچھا تو عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: امت میں انتشار پیدا کرنا شر ہے، دو کیا؟ چار کیا؟ اختلاف اپنی جگہ لیکن اس اختلاف کو وجہ اختلاف بنانا درست نہیں۔[۳]

صحابہ کو امت کے اتحاد و اتفاق کا کس قدر خیال تھا لیکن آج صحابہ ہمارے

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: خراساں میں حنفیوں اور شافعیوں میں باہمی جنگ و جدال کا بازار گرم تھا۔ طوس کے حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آکر ہلاکو خاں کو دعوت دی اور شہر کے دروازے کھول دیئے پھر جب تاتاریوں کی تلوار چمک گئی تو اس نے نہ حنفیوں کو چھوڑا نہ شافعیوں کو (ترجمان القرآن جلد ۲ ص: ۴۶۴، ۴۹۲)

۲۔ سورۃ آل عمران، آیت ۶۴

۳۔ ابوداؤد، کتاب الحج، باب الصلوۃ

عقیدتوں کے مرکز تو ضرور ہیں لیکن عملی اور فکری حوالہ سے ہم ان سے کوسوں دور۔ آج ہم ان کے رستے پر چل کر امت کو انتہا پسندی کے نرغے سے کیوں نکال نہیں رہے؟

(۲) فقہی آراء کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے اہلحدیث مکتبہ فکر کے نامور عالم حافظ محمد گوندلوی لکھتے ہیں: ''یہ سارے کام فعلی ہیں سنت سے ثابت ہیں۔ باہمی فقہی اختلافات کے باوجود کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ نماز میں ہاتھ باندھنا فرض ہے اور پھر سنت بھی اس قسم کی ہے کہ اس کے ترک سے نماز ہو جاتی ہے۔ انور شاہ صاحب نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح اذان، اقامت کے مسائل ہیں۔ ان تمام مسائل میں اختلاف جواز کا نہیں اختیار کا ہے اور دونوں طرح جائز ہے۔ کوئی اس طرح کرے اور کوئی اس طرح۔ [1]

اس سلسلہ میں خطبات بہاولپور میں ڈاکٹر حمید اللہ کا اپنے پرائمری سکول کے ایک استاد کا یہ بیان بھی اعتدال کی روش اپنانے اور ایسے مسائل کی حقیقت سمجھنے میں مدد و معاون ہو سکتا ہے: ''شیعہ اور سنی بھائی بھائی ہیں۔ دونوں مسلمان ہیں۔ اصل میں ان میں جو فرق ہے وہ ایک مصلحت سے ہے۔ اللہ میاں کو اپنے حبیب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے اس قدر محبت تھی کہ اس نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر سنت کو قیامت تک محفوظ رکھے۔ رسول اللہ نے کبھی یوں نماز پڑھی اور کبھی دوسری طرح پڑھی۔ اگر سارے لوگ ایک ہی طریقے سے پڑھیں تو دوسرے طریقے سے پڑھی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی نماز غائب ہو جائے گی۔ لہٰذا ان کی ایک سنت پر یہ لوگ عمل کر رہے ہیں اور دوسری سنت پر وہ لوگ لیکن دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ [2]

۱۔ محمد گوندلوی، حافظ، درس بخاری، مرتبہ منیر احمد سلفی، اسلامک پبلشنگ لاہور ۱۹۹۲ص: ۸۱

۲۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ص: ۳۴

کاش ہمارے اندر بھی محبت رسول ﷺ کا ایسا جذبہ آئے جس سے وحدت امت کی راہ نکلے۔

(۳) حضرت ابن عمر، ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خارجیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ جب کہ ابن الزبیر کی خارجیوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ ابن الزبیر اور خوارج دونوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں حالانکہ ان کی آپس میں جنگ ہے۔ آپ نے فرمایا: جو بھی حی علی الفلاح کہے گا میں اس کے ساتھ آواز ملاؤں گا لیکن جو کسی مسلمان بھائی کو قتل کرنے اور اس کا مال لوٹنے کے لئے پکارے گا میں اس کی بات نہیں مانوں گا۔[1]

(۴) امام احمد بن حنبل نے فرمایا جو شخص جمعہ کی نماز کسی کے پیچھے پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھے گا وہ بدعتی ہے۔[2]

(۵) کاش ہم حسن بصری کو ماننے والے ان کے اس قول کو مان لیں: ''مومن، منافق کے پیچھے نماز پڑھے تو اسکی نماز کا کوئی نقصان نہیں اور منافق مومن کے پیچھے پڑھے تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔[3]

(۶) ابن حزم لکھتے ہیں: ہمارے علم میں کوئی صحابی بھی ایسا نہیں جس نے مختار، عبیداللہ بن زیاد اور حجاج کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کیا ہو حالانکہ ان سے بڑھ کر کوئی فاسق نہیں۔[4]

۱۔ ابن قدامہ، ابو محمد عبداللہ بن احمد، المغنی، مکتبہ الریاض الحدیثہ الریاض ۱۹۸۰ء جلد ۲ ص: ۱۸۶

۲۔ المغنی لابن قدامہ جلد ۲ ص: ۱۸۹

۳۔ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد (م: ۴۵۶ھ) المحلی، تحقیق شیخ احمد محمد شاکر، دارالآفاق الجدید بیروت جلد ۴: ۲۱۴

۴۔ المحلی جلد ۴ ص: ۲۱۴، ابن تیمیہ مجموع الفتاوی، دار عالم الکتب الریاض ۱۹۹۱ء جلد ۲۳ ص ۳۴۷

(۷) قاضی ابو یوسف اور امام محمد عیدین میں تکبیر، ابن عباس کے مذہب کے مطابق کہتے تھے۔[1]

(۸) القفال شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابو عاصم حنفی رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو مؤذن سے کہا کہ آج اذان ترجیع کے بغیر، حنفی طریقہ کے مطابق دی جائے۔ اذان کے بعد علامہ القفال شافعی نے ابو عاصم حنفی سے نماز پڑھانے کی درخواست کی تو ابو عاصم حنفی نے رفع یدین کے ساتھ شافعی طریقہ سے نماز پڑھائی۔[2] [3]

(۹) درج بالا مثالیں تو فقہی مسائل میں اعتدال و توازن کی تھیں۔ متکلمین کے ہاں اعتقادی مسائل میں بھی ایسی متوازن رائے موجود ہے۔ ماضی میں معتزلہ اور اہل سنت، اعتقادی مسائل میں دو بڑے مکاتب فکر مانے جاتے تھے۔ باوجود اس کے کہ امام رازی نے معتزلہ کے رد میں اپنا پورا علمی زور صرف کیا مگر اس کے باوجود وہ یہ کہتے ہیں دونوں اللہ تعالیٰ کی تعظیم وجلالت شان، تقدیس وتنزیہ کے لئے کوشاں رہے۔ امام رازی کے اصل الفاظ یہ ہیں: **وسمعت الشيخ الامام الوالد ضياء الدين**

۱۔ مصدر سابق: ۲۴

۲۔ مولانا محمد یوسف بنوری، **معارف السنن**، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ج ۲، ص: ۳۳۳

۳۔ اس مسئلہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

☆ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغۃ (مترجم مولانا عبدالحق حقانی، فرید بک سٹال لاہور)

☆ اصلاحی، امین احسن، اسلام ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، فاران اکیڈمی لاہور

☆ صدرالدین اصلاحی، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، اسلامک پبلی کیشنز لاہور

☆ محمد اسحق، مولانا، وحدت امت، مکتبہ ملیہ فیصل آباد

☆ قریشی محمد اسحق، پیغمبر امن وسلامتی، زاویہ لاہور

عمر بن الحسین رحمہ اللّٰہ قال: سمعت الشیخ اباالقاسم سلیمان بن ناصر الانصاری مایقول: نظر اهل السنة علی تعظیم اللّٰہ فی جانب القدرة ونفاذ المشیئة، ونظر المعتزلة علی تعظیم اللّٰہ فی جانب العدل والبراءة عن فصل مالاینبغی، فاذا تأملت علمت ان احدالم یصف اللّٰہ الا بالتعظیم والاجلال والتقدیس والتنزیه، ولکن منهم من اخطاء ومنهم من احباب، ورجاء الکل متعلق بهذه الکلمة وهی قوله تعالی (وربک الغنی ذوالرحمة)[1]

درج بالا واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلاف امت میں وحدت کو سب سے زیادہ ضروری خیال کرتے تھے۔ دور حاضر کے مسلمانوں نے شعوری یالاشعوری طور پر فقہی مسالک ومکاتب فکر کو اصل دین سمجھ لیا۔ یہی انتہا پسندی کی روش ہے۔ یہ بَیِّن حقیقت ہے کہ آئمہ میں صرف ایک تہائی مسائل میں اختلاف ہے اور دو تہائی میں اتفاق ہے اور اختلاف کی نوعیت بھی یہ ہے کہ افضل عمل کیا ہے؟[2]

درج بالا مثالیں اس طرز عمل سے بچنے کی تلقین کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مالکیہ، احناف، شوافع، حنابلہ اور جعفریہ سب کے سب قابل احترام ہونے کے باوجود فقہی مکاتب فکر ہیں۔ اصل دین قرآن اور سنت ہے۔ مولانا انورشاہ کشمیری، فقہ حنفی کے نامور وکیل سمجھے جاتے ہیں۔ ایک دن تلامذہ نے حالت غم میں دیکھا تو اس کرب واضطراب کی وجہ دریافت کی۔ کہنے لگے: ہم نے ساری زندگی اس بات میں لگادی کہ حنفی مسلک کی ترجیح اور فضیلت دوسرے مسالک کے مقابلہ میں ثابت کردیں، جبکہ

۱۔ مفاتیح الغیب جلد۱۳،ص:۲۰۱

۲۔ الکوثری: زاہد، مقالات الکوثری، سعید کمپنی کراچی، ص ۱۲۱

ہماری اصل ذمہ داری تو اسلام کی اساسی تعلیمات کو پیش کرنا تھا'' ۱؂

اسی طرح مالٹا کی قید سے واپسی کے بعد مولانا محمود الحسن نے دارالعلوم دیوبند میں علماء کے سامنے کہا ہم نے تو مالٹا کی زندگی سے دو سبق سیکھے ہیں اور وضاحت کرتے ہوئے کہا میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیاوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا اور دوسرا آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ ۲؂ علماء نے اس ذمہ داری کا احساس نہ کیا تو نتیجہ ساری امت بھگت رہی ہے۔

ہماری تاریخ کا درج ذیل واقعہ بھی اعتدال وتوازن کی روش اپنانے اور ایک دوسرے کے اکابرین کے احترام کا پیغام لئے ہوئے ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں: فرقہ واری رواداری کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ جن دنوں علامہ شبلی نعمانی مرحوم ''الفاروق'' لکھ رہے تھے، علی گڑھ کالج کی پروفیسری کی خدمت پر مامور تھے۔ سر سید احمد خاں کو اندیشہ ہوا کہ کالج کے ہمدردوں میں جو شیعہ حضرات ہیں وہ حضرت عمر فاروق کی اس سوانح نگاری سے برامان جائیں گے۔ انہوں نے ازراہ مصلحت بینی کالج کے ایک بڑے شیعہ ہمدرد و مددگار نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کو مولانا شبلی کے ارادہ سے مطلع کرتے ہوئے اپنا خطرہ بتادیا کہ اس کتاب سے مجھے سنی شیعہ تفریق کا ڈر ہے اور لکھا کہ میں نے مولانا شبلی کا قلم روک رکھا ہے۔ نواب صاحب مرحوم نے اس کا جواب یہ دیا کہ اسلام نے ایک فاروق پیدا کیا ہے، حیف ہے کہ اس کی سوانح عمری نہ لکھی جائے۔ مولوی شبلی کو

۱۔ محمد شفیع مفتی، وحدت امت، طارق اکیڈمی، فیصل آباد ۲۰۰۴ء ص ۳۰۔۳۲

۲۔ محمد شفیع مفتی، وحدت امت ص ۵۷

''الفاروق'' سے مت رو کیے''۔ ۱

اعتدال پسندی کی اس بحث کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ جزوی وفروعی مسائل میں اختلاف لازمی ہے۔

۲۔ اس قسم کے اختلافات پر تقلید جامد اور تعصب مذہبی کی بنیاد رکھنا ناجائز ہے۔

۳۔ تقلید کا لازمی نتیجہ فرقہ بندی اور فرقہ بندی کا ثمر تعصب باہمی آویزش ورنجش ہے۔

۴۔ زوال تحقیق کا نتیجہ فتنہ کاوش وتعمق اور جزئیات پرستی ہے۔ اس لئے تفریعات کے اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف بنیادی اصولوں پر قصر شریعت تعمیر کرنا چاہیے۔

مختلف الرائے مکاتب فکر میں اتحاد کس طرح ممکن ہے؟ متحارب ومخالف فریقین کن بنیادوں پر متحد ہو سکتے ہیں؟ ایسے ہی سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریابادی نے ان اصولی واساسی امور کا تذکرہ کیا ہے جن پر اتحاد ممکن ہے اور ہر فریق اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے امن وسلامتی، صلح وآشتی اور الفت ومحبت کی لڑی میں منسلک ہوسکتا ہے۔ اس اتحاد کا لائحہ عمل ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''جو اتحاد مطلوب ومقصود ہے، اس کے لئے صرف اصل اصول کا اشتراک بالکل کافی ہے۔ فروع بلکہ غیر اہم اصول کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ انضمام اور چیز ہے (اور اس پر کوئی بھی فرقہ کیوں راضی ہونے لگا) اور اتحاد اور۔ اتحاد کی دعوت تو قرآن مجید نے غیر مسلموں (یہود ونصاریٰ) تک کو دی ہے، یہ کہہ کر کہ توحید کو بطور نقطہ اشتراک قبول کرلو، اور ان کے دوسرے عقیدوں سے کوئی بحث ہی نہیں رکھی

۱۔ (الشریعہ، گوجرانوالہ، جلد ۱۵، ص: شمارہ: ۱۲، دسمبر ۲۰۰۴ء، ص: ۱۳-۱۴

اور مدینہ آکر یہود سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ اتحاد قائم ہی کر لیا تھا۔ یہ طے کر لیجئے، اس پر سختی سے جم جایئے تو اتحاد و مصالحت کی صورت بالکل آسان ہو جاتی ہے۔ نقطہ اشتراک واتحاد اقرار شہادتین ہے، یعنی اقرار توحید و رسالت، مسئلہ امامت و تفضیل صحابہ وغیرہ گو اپنی جگہ اہم ہیں لیکن توحید و رسالت کی طرح اور وحدت کلمہ وقبلہ کی طرح بنیادی چیزیں نہیں۔ جزئیات کی طرف جایئے گا تو خود اہل سنت کے ہاں کتنے فرقے، کتنی تفریقیں نکل آئیں گی۔[1]

علامہ غلام رسول سعیدی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ ابتداء اسلام قبول کرنے والا کس فرقہ میں جائے؟ جو کچھ لکھا ہے وہ بھی باہمی اختلافات کو ختم کرنے کی بنیاد ہے۔ وہ لکھتے ہیں: اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کے بنیادی احکام پر عمل کرے، نماز پڑھے، روزے رکھے، صاحب نصاب ہو تو سال کے بعد زکوۃ ادا کرے اور استطاعت ہو تو حج کرے اور تمام حرام کاموں سے بچے اور مختلف فرقوں کی باریکیوں اور ان کے نظری مسائل میں نہ پڑے، باقی رہا یہ کہ وہ کس فقہ کے مطابق نماز پڑھے تو جس ملک میں جس فقہ کی اکثریت ہو، اس کے مطابق اپنی عبادت انجام دے اور تلاش حق کے لئے مختلف فرقوں کے دینی لٹریچر کا مطالعہ جاری رکھے اور مطالعہ کے بعد جو مسلک اس کو قرآن مجید اور احادیث کے قریب تر دکھائی دے اس کو قبول کرلے اور یہ کوئی ایسا مشکل اور لاینحل مسئلہ نہیں''۔[2]

(۴) انسانی قتل اور ظلم کی ممانعت:

پہلے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ انتہا پسندی کا عملی اثر قتل انسانی یا انسانوں پر ظلم کی

۱۔ الشریعۃ، گوجرانوالہ، جلد ۱۵، شمارہ: ۱۲، دسمبر ۲۰۰۴ء، ص: ۱۶

۲۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال لاہور، ۲۰۰۵ء/ ۱۴۲۶ھ، جلد ۵، ص: ۶۵۳

صورت میں سامنے آتا ہے۔اسلام نے ان دونوں سے منع کیا ہے۔اس سلسلہ کی چند تعلیمات درج ذیل ہیں:

۱۔ بوڑھے ضعیف، چھوٹے بچے اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔[۱]

۲۔ جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔(فلا یرح رائحة الجنة)[۲]

۳۔ جو ہمارا ذمی ہے اسکا خون ہمارے خون کی طرح ہے۔[۳]

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تڑپا تڑپا کر قتل کرنے سے منع کیا ہے۔[۴]

[یہاں تک کہ جانور کو تیز دھار آلہ سے ذبح کرنے کا حکم ہے]

۵۔ لو ان اهل السماء واهل الارض اشتركوا في دم مؤمن لا كبهم الله في النار.[۵]

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر آسمان اور زمین مل کر بھی کسی مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم کی آگ میں جھونک دے گا۔

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں تو اسلحہ اٹھا کر اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے مبادا، اسے نقصان پہنچ جائے۔ارشاد مبارک ہے

۱۔ابوداؤد، كتاب الجهاد ، باب في قتل النساء

۲۔ترمذی ،محمد بن عیسیٰ صحیح سنن الترمذی تحقیق ناصر الدین البانی ، مکتبہ المعارف الریاض ۲۰۰۰ كتاب الديات ، باب الحكم في الدما جلد۲ص ۱۰۳

۳۔الشوکانی محمد بن علی بن محمد،نیل الاوطار،مصر ۱۹۶۱ جلد ۷ ص:۱۳۰ بسند ضعیف

۴۔ابوداؤد سلیمان بن اشعث ،سنن ابوداؤد كتاب الجهاد ، باب في قتل الاثير بالنبل کی روایت سے استنباط

۵۔صحیح سنن ترمذی،۱۰۴ باب ماجاء فيمن يقتل نفس معاهده

لایشیر احدکم علی اخیہ بالسلاح فانہ لایدری لعل الشیطان ینزغ من یدہ فیقع فی حفرۃ من النار. یہی نہیں اس چیز کو بھی واضح فرمادیا کہ جو بلاوجہ کسی سے لڑنے کے لئے ہتھیار اٹھائے وہ میرے طریقے پر نہیں۔ من حمل علینا السلاح فلیس منا۔[1]

۷۔ لڑتے لڑتے اگر مسلمان بھائیوں میں نوبت قتل تک پہنچ جائے تو آپ نے قاتل اور مقتول دونوں کے لئے جہنم کی وعید سنائی ہے کیونکہ دونوں کی کوشش تھی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔

اذاالتقی المسلمان بسیفھما فالقاتل و المقتول فی النار۔[2]

۸۔ ہمارے دور میں قتل کے واقعات عام ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل عام کو قرب قیامت کی نشانی بتایا ہے۔

ان بین یدی الساعۃ لایامایںنزل فیھاالجھل ویرفع فیھاالعلم و یکثر فیھا الھرج و الھرج القتل.[3] قیامت سے پہلے ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں جہالت کا دوردورہ ہوگا، علم اٹھالیا جائے گا اور اس میں قتل بکثرت ہوگا۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ قتل وغارت کا سبب جہالت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے قتل سے اس طرح منع فرمایا کہ اسے کفر سے تعبیر کیا۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بعد کافر مت ہوجانا

۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من حمل علینا......

۲۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الفتن و اشراط الساعۃ

۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب الفتن، باب ظہور الفتن

کہ دوسرے کی گردن مارنے لگو۔[1]

قتل انسانی کی حرمت اورقدرتی وسائل کے تحفظ کے لئے احادیث میں

جواحکامات آئے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہیں:

(۱) عورتوں کے قتل کی ممانعت

(۲) بچوں کے قتل کی ممانعت

(۳) مثلہ کی ممانعت

(۴) غداری کی ممانعت

(۵) چوری کرنے کی ممانعت

(۶) بوڑھوں کے قتل کی ممانعت

(۷) پھلدار درخت کاٹنے کی ممانعت

(۸) جانوروں کو بلاضرورت مارنا

(۹) گرجاوالوں کو قتل کرنے کی ممانعت

(۱۰) عمارت گرانے کی ممانعت[2]

تعلیمات نبوی کا یہ خلاصہ ظاہر کرتا ہے مومن غاصب، جارح اور ظالم نہیں ہوتا وہ انسانی جانوں اور Public Property کا محافظ ہوتا ہے۔ یہ تعلیمات بتاتی ہیں کہ احتجاجی جلسوں اور جلوسوں میں دیگر مذاہب کے مذہبی مقامات کو نقصان پہنچانا بھی جائز نہیں۔ اسلام احترام انسانیت، حقوق انسانی اور حیوانات ونباتات کے حقوق کی بھی تاکید کرتا ہے۔

انتہا پسند اپنے فعل کے جواز کیلئے دینی جذبہ وحمیت کا نام لیتے ہیں۔ اس

۱۔ مسلم بن الحجاج القشیری صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان معنی قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفارا

۲۔ ملاحظہ فرمایئے، موطا امام مالک/سنن ابن ماجہ

طرز عمل کو صحابہ نے پسند نہ کیا۔'' حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس ابن زبیر کے واقعے کے دوران دو آدمی آئے اور کہا کہ اے ابن عمر! لوگ ضائع ہو گئے اور آپ صحابی رسول ہیں آپ کو کیا مانع ہے کہ اس موقعہ پر نکلیں ابن عمر نے جواب دیا کہ میرے اوپر میرے بھائی کا خون حرام ہے اس لئے نہیں نکلتا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان قاتلوهم حتى لاتكون فتنه . ابن عمر نے جواب دیا ہم نے جنگ کی حتیٰ کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین اللہ کیلئے خالص ہو گیا اور تم جنگ کرتے ہو کہ فتنہ ہو اور دین غیر اللہ کیلئے ہو جائے''۔[1]

انتہا پسند بھی یہی چاہتے ہیں کہ فتنہ ہو اور دین غیر اللہ کیلئے ہو جائے۔

اسلام نے آتش زنی، لوٹ مار، زیر حراست اموات، عصمت دری، سفراء کے قتل، مقتولین کا مثلہ، اغوا وغیرہ سے منع کیا ہے۔ جو ظلم/قتل انسانی کی مختلف صورتیں ہیں، رہتی دنیا تک اسلام نے ہابیل اور قابیل کو امن پسندی، صلح جوئی اور دہشت گردی، انتہاء پسندی کی علامات بنا کر پیش کیا ہے۔

امام بخاری نے عمرو بن معدی کرب کے اشعار نقل کئے ہیں جو لڑائی کے آغاز وانجام کی خوبصورت عکاسی تو کرتے ہی ہیں مگر وہ اس دور کی انتہا پسندی کے نتائج کی منظر کشی بھی ہیں۔

الحرب اول ماتكون فتية

تسعى بزينتها لكل جهول

حتى اذا اشتعلت وشب ضرامها

ولت عجوزا غير ذات حليل

---

[1] صحیح بخاری، كتاب التفسير . باب وقاتلو هم حتى لا تكون فتنة

شمطاء ينكر لونها وتغيرت

مكروهة للشم والتقبيل!

لڑائی شروع میں جوان عورت ہوتی ہے، اپنی زینت کے ساتھ ہر نادان کے پاس دوڑتی ہے۔ یہاں تک کہ جب مشتعل ہو کر بھڑک اٹھتی ہے، اس بڑھیا کی طرح پیٹھ پھیر کر بھاگتی ہے جس کا کوئی شوہر نہیں۔ جس کے بال بکھر گئے ہیں اور رنگ بگڑ گیا ہے، جس کا سونگھنا اور بوسہ لینا ناپسند ہو گیا۔

(۵) مذہبی آزادی:

اسلام نے ہر شخص کو پوری مذہبی آزادی دی ہے اور اس معاملہ میں کسی جبر کا قائل نہیں۔ گمراہ طبقات کو دیکھ کر آپ پریشان ہوتے کہ وہ راہ ہدایت پر آ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فذكر انما انت مذكر لست عليهم بمصيطر۔۲

آپ نصیحت کرتے جایئے، آپ نصیحت کرنے والے ہیں ان پر جبر کرنے والے نہیں۔

''لا اكراه في الدين '' کہہ کر قرآن کریم نے مذہبی آزادی کے عالمگیر اصول کو بیان فرمایا۔ حضرت عمر نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی تو اس کے جواب میں اس نے کہا ''اَنَا عُجُوز'' كَبِيرة'' وَالموتُ اِلَیَّ قَرِيب'' یعنی میں ایک قریب الموت بڑھیا ہوں، آخری وقت میں اپنا مذہب کیوں چھوڑوں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے اسے مجبور نہ کیا بلکہ لا اكراه في الدين کی آیت تلاوت فرمائی۔۳۔ تاریخ نے اسی سلسلہ کو دہرایا۔ تمدن اسلام وعرب میں ہے ''مسلمانوں کا دوسرے لوگوں سے

۱۔ الجامع الصحيح كتاب الفتن، باب التعرب في الفتنه

۲۔ سورۃ الغاشیہ ۲۱۔۲۲

۳۔ محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۹۱ء جلد اول ص: ۲۱۷

سلوک اس قدر محبت بھرا اور نرم تھا کہ ان کے سرداروں نے انہیں اپنی مذہبی تقریبات تک منعقد کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ کئی ایک تواریخ میں ہے کہ عیسائیوں کا ایک گروہ جو بعض سوالات اور تحقیقات کیلئے پیغمبر اکرم کی خدمت میں پہنچا تھا اس نے اپنی مذہبی عبادت مسجد نبوی میں آزادانہ انجام دی۔[1]

(۶) عزت نفس کا تحفظ:

اسلام کے نزدیک معاشرہ کے ہر فرد کے جذبات قابل احترام ہیں۔ اسلام نے ہر فرد و بشر کی عزت کے تحفظ کو یقینی بنانے کیلئے تمام ضروری ہدایات اور تعلیمات دی ہیں اور ہر ایسے قول و فعل سے منع کیا ہے جس سے دوسرے شخص کی عزت پر کوئی حرف آئے۔ اس ضمن میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ بدگمانی سے بچنے کی تلقین کی[2] اسے جھوٹی بات قرار دیا[3] اور نیک گمان کو کعبہ کی حرمت سے بڑھ کر قرار دیا۔[4]

۲۔ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ لگانے سے منع کر کے[5] مسلمان کے عیوب کی پردہ داری کرنے کا حکم دیا۔[6] حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو لوگوں کے باطن اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہوگا تو، تو انہیں خراب کردے گا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس حدیث

۱۔ شیرازی ناصر مکارم، تفسیر نمونہ، مترجم سید صفدر حسین نجفی، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور، جلد اول ص: ۶۰۲

۲۔ سورۃ الحجرات آیت: ۱۲ ۳۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما یکون من الظن

۴۔ ابن کثیر ابوالفدا اسماعیل (متوفی ۷۷۴ھ) تفسیر القرآن العظیم، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت ۲۰۰۰، جلد ۴، ص ۲۶۹)

۵۔ سورۃ الحجرات، آیت ۱۲

۶: صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ باب بشارۃ من ستر اللہ تعالیٰ عیبہ فی الدنیا

سے اللہ تعالیٰ نے معاویہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔[1]

۲۔ غیبت جو نفرت، کینہ اور بغض پیدا کر کے معاشرہ میں انتہا پسندی کے جراثیم کی نشوونما کرتی ہے اس سے بھی بڑی سختی سے منع کر دیا۔[2] (اسی طرح افک اور بہتان سے منع کیا۔) چند روایات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

i۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے اس عیب کا ذکر کروں کہ جس کا ذکر اس کو ناپسند ہو۔ کہا گیا یہ بتائیے کہ اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کا میں ذکر کرو؟ آپ نے فرمایا: اگر تم نے وہ عیب بیان کیا جو اس میں ہے تبھی تو تو نے اس کی غیبت کی ہے اور اگر وہ عیب بیان کیا جو اس میں نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔[3]

ii۔ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے منہ پھیر لیا۔ یہاں تک کہ وہ دو چار مرتبہ کہہ چکے۔ پھر پانچویں دفعہ آپ نے کہا تو نے زنا کیا ہے؟ جواب دیا ہاں، فرمایا: جانتا ہے زنا کسے کہتے ہیں؟ جواب دیا ہاں۔ جس طرح انسان اپنی حلال عورت کے پاس جاتا ہے اسی طرح میں نے حرام عورت سے کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اب تیرا مقصد کیا ہے۔؟ کہا یہ کہ آپ مجھے اس گناہ سے پاک کریں۔ آپ نے فرمایا: کیا تو نے اسی طرح دخول کیا تھا جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اور لکڑی کنویں میں؟ کہا ہاں یا رسول اللہ۔ اب آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ رجم کر دیئے گئے۔

۱۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (۲۷۵ھ)، السنن، کتاب الادب، باب فی التجسس

۲۔ سورۃ الحجرات، آیت: ۱۲

۳۔ مسلم، کتاب البرو والصلة والادب

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو شخصوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے دیکھو اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس نے اپنے تئیں نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ کتے کی طرح پتھراؤ کیا گیا۔ آپ یہ سنتے ہوئے چلتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے۔ فرمایا: فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ وہ سواری سے اتریں اور اس گدھے کا گوشت کھائیں۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے، کیا یہ کھانے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا ابھی جو آپ نے اپنے بھائی کی بدی بیان کی تھی وہ اس سے بھی زیادہ بری چیز ہے۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ شخص جسے تم نے برا کہا تھا وہ اب اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ صحابہ کہتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے جو نہایت سڑی ہوئی بو والی ہوا چلی۔ آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ بو کس چیز کی ہے۔ یہ بد بو ان کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں [1]

۴۔ ایک دوسرے پر عیب (همز اور لمز یعنی قولی اور فعلی عیب جوئی سے منع کیا گیا ہے) لگانے سے روک دیا گیا ہے[2] اسلوب ایسا اختیار کیا ہے جو بذات خود پیغام محبت ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں ''جب تم کسی کی پردہ داری کرو گے تو وہ تمہارے عیوب ونقائص ہی طشت از بام کرے گا اور جسکی برائیاں تم کرتے نہیں تھکتے وہ کوئی غیر تو نہیں تمہارا بھائی ہے۔[3] ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کم قامت کے بارہ میں کچھ کہا تو آپ نے فرمایا: تو نے ایسی بات کہی ہے کہ سمندر کے پانی میں اگر ملادی جائے تو اسے بھی بگاڑ دے

۱۔ مسند احمد، جلد۳، ص:۳۵۱

۲۔ سورۃ الحجرات، آیت ۱۱

۳۔ محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، پبلی کیشنز لاہور ۱۴۰۲ھ ج:۴، ص:۵۹۴

اور ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی شخص کی کچھ ایسی ہی باتیں بیان کی گئیں تو آپ نے فرمایا: میں اسے پسند نہیں کرتا گو مجھے بہت بڑا نفع بھی مل جائے۔[1]

۵۔ ہر نام اور لقب جو معمولی سے معمولی غیر مطلوب مفہوم رکھتا ہے اور کسی مسلمان کی تحقیر و تذلیل کا سبب بنتا ہے اسلام اسے ممنوع قرار دیتا ہے۔[2] سورۃ الحجرات کی آیت: ۱۱ کے بارہ میں امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ حکم بنوسلمہ کے بارے میں نازل ہوا۔ حضور جب مدینہ میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین نام تھے۔ حضور ان میں سے کسی کو کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے یا رسول اللہ یہ اس سے چڑتا ہے اس آیت کے نزول کا پس منظر یہ ہے۔ یہاں سے ایسے ناموں کی قباحت و شناعت واضح ہوتی ہے۔

اسلام کی اگر درج بالا تعلیمات پر عمل کیا جائے تو انتہا پسندی، اعتدال پسندی کا رنگ اختیار کر سکتی ہے۔

(۷) فساد فی الارض کی ممانعت:

آج کل تخریب کاری، اسلامی عبادت گاہوں پر حملے اور ہر روز کا قتل عام انتہا پسند طبقے کا کام ہے حالانکہ قرآن کریم میں فساد فی الارض کی ممانعت فرمائی۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو اسلامی تعلیمات سے جاہل ہیں۔

قرآن کریم نے ارشاد فرمایا: **ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا.**[3]

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں خدا کا نام لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔

۱۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب ۲۔ سورۃ الحجرات، آیت: ۱۱

۳: سورۃ البقرۃ: ۱۱۴

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مساجد کو ویران کرنے کی حسی اور معنوی جتنی بھی کوششیں ہو سکتی ہیں، مسجد کو منہدم کرنا یا ایسے حالات پیدا کرنا کہ لوگ عبادت گاہوں کا رخ نہ کریں، وہ ممنوع وحرام ہیں۔ اس آیت کریمہ سے درج ذیل احکامات مستنبط کئی جا سکتے ہیں۔

(۱) بندگان خدا کو ان کے فطری حق سے محروم کرنا، ذکر خدا پر پابندی لگانا، اور عبادت گاہوں کو منہدم کرنا خدا سے دشمنی اور مذہبی انتہا پسندی ہے کیونکہ ان لوگوں کو "اظلم" کہا گیا ہی۔

(۲) تخریب کاروں/انتہاپسندوں کی اصلاح ایک اہم اسلامی فریضہ ہے۔

(۳) تخریب کاروں/انتہا پسندوں کا قرآنی علاج یہ ہے قوت وطاقت کے استعمال سے انہیں ڈرایا دھمکایا جائے/خوفزدہ کیا جائے/ختم کر دیا جائے۔

(۴) تخریب کاروں/انتہاپسندوں کے لئے دنیا اور آخرت میں رسوائی ہے۔

اس مقام پر امین احسن اصلاحی کا یہ بصیرت افروز توضیحی نوٹ بھی لائق مطالعہ ہے "مساجد کے احترام کے اسی اصول کے تحت مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کے ساتھ جنگ کی حالت میں بھی ان کے گرجوں اور معابد کے ہدم یا ان کی توہین کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ مقام ان مسلمانوں کے لئے قابل غور ہے جو محض گروہی تعصبات کے تحت اپنے سے ذرا مختلف مسلک رکھنے والوں کو اپنی مساجد سے روکتے ہیں اور بعض اوقات دوسرا مسلک رکھنے والوں کی مساجد کی بے حرمتی کرنے کی جسارت بھی کر گزرتے ہیں[1]

یہ فساد، قتل سے بھی بڑا جرم ہے، الفتنة اشد من القتل

۱۔ تدبر قرآن جلد اول، ص:۳۰۲

ایسے انتہا پسند لوگوں کیلئے قرآن کریم نے بڑی ہی سخت سزا تجویز کی ہے، جہنم میں خلود اور غضب الٰہی:

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ۔[1]

درج بالا تعلیمات کے علاوہ درج ذیل اصول بھی انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہیں:

۱۔ خطبہ حجۃ الوداع: انتہا پسندی کے حوالہ سے عالمی امن، عالمی انسانی برادری کے قیام کی ضرورت کو واضح کرتا ہے۔ نیز معاشی واقتصادی استحصال کے خاتمہ کی تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ زیردست اور افلاس زدہ انسانیت کے تحفظ کا پیغام دیتا ہے۔

۲۔ صلح حدیبیہ صبر وتحمل اور ضبط نفس کے پیغام کے علاوہ اس بات کی مظہر ہے کہ نیک نیتی پر مبنی مطالبات کا احترام کیا جائے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اقوام سے ۳۰ سے زائد معاہدات کئے ان کا اساسی مقصد بنی نوع انسان کی بہتری، امن کا قیام، ظلم کا خاتمہ اور اسلام کی رہنمائی میں لوگوں کے معاشی، سیاسی اور اجتماعی حقوق کا تحفظ ہے۔

۴۔ اسلام نے فرد کو فارغ البالی اور بے روزگار رہنے سے منع کیا۔ اس ضمن میں حضرت عمر کا یہ فرمان اسلام کے اس نکتہ نظر کا صحیح عکاس ہے۔ ''انی لاکرہ ان اری احدکم فارغا سبھللا لافی عمل دنیاہ ولافی عمل آخرتہ۔ یعنی میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ میں تمہیں نکما بیٹھے ہوئے دیکھوں نہ تم دنیا کا کوئی کام کر رہے ہو اور نہ تم آخرت کو سنوار رہے ہو۔[2]

۱: سورۃ النساء، آیت: ۹۳

۲: ضیاء القرآن، جلد: ۵، ص: ۶۰۱

۵۔ تحائف کے تبادلہ کا حکم نبوی "السلام علیکم" کی کثرت، خدمت خلق، دوسروں کیلئے اخلاص و خیر خواہی کے جذبات، جیسے ارشادات بھی واضح کرتے ہیں کہ معاشرہ میں صلح و آشتی، امن و سلامتی، اخوت و محبت اور پیار بانٹنے کا سلسلہ جاری رہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عَنْ اَبِی اَیُّوْبِ رَضِی اللّٰهُ عنهُ عن النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ علیه و آله وسلَّم قالَ: لا یحلُّ لِمُسلم انْ یهْجر اخاهُ فوْق ثلاث، یلتقیان، فیصُدُّ هذا و یصُدُّ هذا و خیْرُهما الَّذی یبْدأُ بالسَّلام ۱

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مسلم کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلم بھائی کو ناراضگی کی بنا پر تین دن سے زائد چھوڑ دے کہ وہ ملیں تو ایک نے ادھر چہرہ پھیر لیا ہو، دوسرے نے ادھر پھیر لیا ہو۔ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو السلام علیکم کہنے میں پہل کرتا ہے۔

(۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِی اللّٰهُ عنهُمَا اَنَّ رَجُلاً قالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْر" قَالَ تُطْعِمُ الطَّعامَ وتَقْرِئُ السَّلامَ علی مَنْ عَرفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ ۲

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی! یا رسول اللہ! کونسا اسلام بہتر ہے (یعنی اسلامی اعمال سے کونسا عمل بہتر ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

---

۱ (صحیح البخاری (۶۲۳۷) جلد ۴ صفحہ ۱۹۶۳ صحیح مسلم (۲۵۶۰) جلد ۵ صفحہ ۱۶۴)

۲ صحیح البخاری (۶۲۳۶) جلد ۴ صفحہ ۱۹۶۲ صحیح مسلم (۳۹) جلد ۱ صفحہ ۹۵

۱۔ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ

۲۔ جس سے جان پہچان ہو اس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو اس کو بھی بوقتِ ملاقات السلام علیکم کہو۔

(۳) عَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّهُ كَانَ يَاْتِي عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَيَغْدُو مَعَهُ اِلَى السُّوْقِ قَالَ : فَاِذَا غَدَوْنَا اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدُ اللّٰهِ عَلٰى سَقَّاطٍ وَلاَ صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَلاَ مِسْكِيْنٍ وَلاَ اَحَدٍ اِلاَّ سَلَّمَ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْماً فَاسْتَتْبَعَنِيْ اِلَى السُّوْقِ فَقُلْتُ لَهُ مَاتَصْنَعُ بِالسُّوْقِ؟ وَاَنْتَ لاَ تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَلاَ تَسْاَلُ عَنِ السِّلَعِ وَلاَ تَسُوْمُ بِهَا وَلاَ تَجْلِسُ فِي مَجَالِسِ السُّوْقِ وَاَقُوْلُ اجْلِسْ بِنَا نَتَحَدَّثُ فَقَالَ يَااَبَابَطْنٍ ! وَكَانَ الطُّفَيْلُ ذَابَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُو مِنْ اَجْلِ السَّلاَمِ فُنَسَلِّمُ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَا.[۱]

حضرت طفیل بن اُبَی بن کعب کا بیان ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا کرتے تھے بس ان کے ہمراہ بازار جایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا گزر کسی کباڑیے کے پاس ہوتا، کسی تاجر، کسی مسکین کے پاس سے ہوتا یا کسی کے پاس سے بھی ہوتا تو وہ سب کو السلام علیکم کہتے تھے۔ حضرت طفیل کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے اپنے ہمراہ بازار جانے کو کہا تو میں نے عرض کی آپ کے بازار جانے کا کیا فائدہ ہے؟ آپ کسی تاجر کے پاس نہیں ٹھہرتے نہ کسی سامان کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور نہ اس کا بھاؤ کرتے ہیں اور نہ بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں اس لیے

۱۔ الموطا امام مالک جلد ۲ ص: ۷۴۳

میں تو یہی کہتا ہوں یہاں ہی تشریف رکھیں، ہم آپس میں باتیں کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے جواباً (خوش طبعی کرتے ہوئے) فرمایا: اے پیٹ والے! (حضرت طفیل کا پیٹ بڑا تھا) ہم تو صرف السلام علیکم کی اشاعت کیلئے بازار جاتے ہیں سو اس لیئے ہمیں جو بھی ملتا ہے ہم اسے السلام علیکم کہتے ہیں۔

۶۔ اتحاد امت کی تلقین اور تفرقہ سے اجتناب کا حکم بھی اس سلسلہ کی کڑی ہے۔[1]

۷۔ مکی زندگی: دوسروں کو برداشت کرنے، صبر و تحمل اور ضبط نفس کا عملی نمونہ

الغرض ہم Global Village کے اس زمانہ میں حقیقت پسند ہو کر یہ کہہ سکتے ہیں۔

قرآن	-	کتاب امن
سیرت رسول	-	ضابطہ امن
عبادات	-	حصولِ امن اور فروغِ محبت کی عملی تربیت

تو پھر امت وسط - خیر امت - انتہا پسند، دہشت گرد، جنونی، جذباتی...... وغیرہ کیسے ہوسکتی ہے؟

۱۔ اس کی تفصیل آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیں

پاکستان میں انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے تجاویز

۱۔ انتہا پسندی سے نجات کیلئے ضروری ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی روح سے عوام الناس کو آشنا کرنے کیلئے کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں حکومتی اور انفرادی سطح پر اقدامات کئے جائیں:

۲۔ لوگوں میں اخلاقیات کے ضمن میں تقویٰ، توکل، قناعت، رزق حلال اور اولی الامر کی اطاعت کا شعور بیدار کیا جائے۔

۳۔ ہر قسم کے تعصبات سے بچنے کیلئے ضروری اقدامات کئے جائیں۔

۴۔ حکمران اپنے کردار میں انتہائی محتاط رہیں۔

۵۔ ایسی احادیث اور آیات جو اخوت ومحبت، اتحاد امت، انسانی عزت واحترام رواداری سے متعلق ہیں ان کو مختلف کرنسی نوٹوں پر تحریر کیا جائے، ہر چوک میں بورڈز لگائے جائیں، ٹیلی ویژن اور ریڈیو سے ایسی آیات واحادیث کو نشر کیا جائے۔ جیسے

۱۔ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔

۲۔ اللہ کی رسی کو تم سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

۳۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

۴۔ مسلمان کو گالی دینا فسق اور مسلمان سے جنگ کرنا کفر ہے۔

۵۔ جس نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔

۶۔ صوفیا کی تعلیمات کا بنیادی نکتہ انسانی احترام، باہمی محبت، خدمت خلق اور رواداری تھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ صوفیا کی تعلیمات کے حوالہ سے اخبارات میں فیچر شائع کئے جائیں، نصاب کی کتابوں میں ان کو شامل کیا جائے اور ریڈیو ٹیلی ویژن

پرنشر کیے جائیں۔[1]

۷۔ ہمارے اسلاف، صحابہ، اہل بیت، اولیاء، محدثین، پوری امت کا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ ان کے ایام ولادت ووصال کو سب مکاتب فکر اکٹھا مل کر منائیں ایک ہی سٹیج پر مختلف مکاتب فکر کے رہنما موجود ہوں تو عوام میں اعتدال آئے گا یہ اہتمام سرکاری وغیر سرکاری ادارے کریں۔

۸۔ تاریخ اسلام کو از سرنو مرتب کر کے ضعیف، موضوع اور اسرائیلی روایات سے پاک کیا جائے۔ مسلمانوں کے شاندار ماضی کو اجاگر کیا جائے۔

۹۔ تمام مکاتب فکر کے دینی مدارس (حفظ اور ناظرہ کے درجات کو چھوڑ کر اس وقت پاکستان کے دینی مدارس کے طلباء کی تعداد تقریباً دو لاکھ ہے) میں یکساں نصاب رائج کیا جائے اور پانچ مختلف وفاق بنانے کی بجائے ایک بورڈ کے تحت امتحان لئے

۱۔ علماء اور صوفیا کے طرز عمل میں فرق یوں بیان کیا گیا ہے: علماء کے مقابلہ میں صوفیوں کے ہاں قوت برداشت تھی ہندوؤں اور مسلمانوں کو خدا کی مخلوق سمجھ کر ان سے ہمدردی کرتے تھے اور بادشاہوں کو بھی یہی مشورہ دیتے تھے کہ رعیت کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ چنانچہ شیخ محب اللہ الہ آبادی (وفات ۱۶۴۸ء) نے شاہ جہاں سے کہا تھا کہ ہندو اور مسلمان خدا کی مخلوق ہیں اس لئے بادشاہ کو چاہیے کہ وہ رعیت کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس خط کی عبارت یوں نقل کی گئی ہے۔
حق آنست کہ اندیشہ رفاہیت خلق دامن گیر خاطر حکام باشد چہ مومن وچہ کافر کہ خلق خدا پیدائش خداست وسیداین مقام کہ صاحب آں مقام بہرکسے از صالح وفاجر ومومن وکافر رحم کند رسول خداست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں محمد اکرام، شیخ، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۶ ص:۴۴۱/ مبارک علی، ڈاکٹر، برصغیر میں مسلم معاشرہ کا المیہ، فکشن ہاؤس لاہور ۱۹۹۷ ص:۸۲

جائیں۔اس سلسلہ میں اساتذہ کوخصوصی تربیت دی جائے۔

۱۰۔ ذرائع ابلاغ کی تطہیر کی جائے۔

۱۱۔ خدمت خلق کی اہمیت اور معاشرتی ارتقاء میں اسکا کردار اور خدمت خلق کیلئے اسلام کی خصوصی تعلیمات کو اجاگر کیا جائے۔[۱]

۱۲۔ تنگ نظری قوم پرستی، نسلی دشمنی اور مذہبی تعصب سے نجات حاصل کی جائے۔اس کیلئے قومی اور بین الاقوامی سطح پر مذہبی عدم رواداری کے خلاف وسیع پیمانے پر مہم چلانے کی ضرورت ہے۔نیز ہمیں لوگوں کو اس بات کی پوری آزادی دینا ہوگی کہ ہر کوئی اپنے طریقے سے عبادات اور رسوم ادا کرے اور کوئی بھی دوسرے مسلک پر اپنے مسلک کے تصورات کو مسلط نہ کرے۔

۱۳۔ فرقہ ورانہ تنظیموں کو خلاف قانون قرار دیا جائے اور مذہبی عقائد واعمال پر مشتمل لڑیچر تیار کروایا جائے اور مفت تقسیم کیا جائے یہ لڑیچر دینی بصیرت کا سبب بنے۔اسی طرح مختلف مکاتب فکر کے رہنما مل بیٹھیں اور ایک دوسرے کے نظریات کے بارہ میں صحت مندانہ مکالمہ کریں اور اسلام کی ایک تعبیر پر اتفاق کریں۔

۱۴۔ شیعہ اور سنی مکتبہ فکر کی متفق روایاتِ حدیث کا مستند مجموعہ مرتب کیا جائے۔

۱۵۔ کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنا اور لکھنا قابل سزا جرم قرار دینے کیلئے قانون سازی کی جائے۔

۱۶۔ ملک میں موجود ہر قسم کے متنازعہ لڑیچر کو ضبط کرلیا جائے اور آئندہ سے ایسے لڑیچر پر پابندی لگادی جائے۔

۱۔تفصیلات کے لئے راقم کی کتاب ''سماجی بہبود تعلیمات نبوی'' کی روشنی میں شائع کردہ جمال کرم لاہور ملاحظہ فرمائیں

باب سوم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

- اتحاد کی تلقین، انتشار کی ممانعت
- مفہوم
- محرکات

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

اتحاد کی تلقین اور انتشار کی ممانعت

قرآن کے احکامات

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات اقدس قرآن کے الفاظ کی عملی تعبیر وتشریح ہی نہیں مراد بھی ہے۔ مذہبی انتہا پسندی کے حوالہ سے آپ کے ارشادات، تعلیمات اور احکامات درحقیقت آیات قرآنی کی توضیح وتشریح ہیں۔ قرآن کریم کی آیات پر غور کریں تو یہ چیز سامنے آتی ہے کہ یہاں اتحاد و یکجہتی، اتفاق و یگانگت کے احکامات کے علاوہ انتشار وافتراق کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ بطور تنبیہ مسلمانوں کو اس خلفشار کے نتائج وعواقب سے آگاہ بھی کیا گیا ہے۔ انتہا پسندی کا خاتمہ ممکن نہیں جب باہمی انتشار ختم نہیں ہو جاتا۔

اتحاد کی تلقین:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا[1]

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہونا۔

اس آیت مبارکہ میں تین امور واضح کیے گئے ہیں:

(ا) اتحاد کا حکم (واعتصموا......جمیعا)

(ب) اتحاد کی بنیاد (حبل اللہ ......)[2]

۱۔ سورہ آل عمران: ۱۰۳

۲۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: ان الجماعۃ حبل اللہ فاعتصموا۔ (الجامع لاحکام القرآن، جلد: ۲، ص: ۱۵۹)

(ج) تفرقہ کی ممانعت (ولا تفرقوا......)[1]

آج جب ہم پانی کے بڑے ڈیموں کو دیکھتے ہیں تو وہاں پانی کے قطرات کی قوت ان کے باہم پیوست ہونے میں نظر آئے گی۔ اسی طرح امت کے افراد اکیلے اکیلے قطرہ کی حیثیت رکھتے ہیں مگر ان کا اجتماعی وجود ایک قوت و طاقت کا مظہر ہے جو قوت انسانیت کی فوز وفلاح کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بات کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا: مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی بعضہ تداعی سائرہ بالسھر والحمی.[2]

یعنی صاحبان ایمان دوستی، ایک دوسرے پر رحم کرنے میں ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہوتے ہیں۔ جب ان میں ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو باقی اعضاء کو بھی سکون نہیں ملتا۔

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جب عداوت، وحشت، انتقام، خودغرضی اور غرور و تکبر جیسی انتہاپسندی کی مختلف شکلیں رائج تھیں، عین اس وقت قرآن نے باہمی یگانگت ومحبت کو احسان الٰہی قرار دیا۔ فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا.[3]

انتشار وافتراق کی ممانعت:

قرآن کریم نے ذاتی اغراض ومقاصد اور ہوس وھویٰ کی خاطر باہم

۱۔ امام قرطبی لکھتے ہیں: ولا تفرقوا متابعین للھوی والاغراض المختلفۃ۔ (الجامع لاحکام القرآن جلد:۲، ص:۱۵۹)

۲۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ

۳۔ سورہ آل عمران:۱۰۳

کدورت ورنجش کی ممانعت شدید الفاظ میں مختلف مقامات پر ارشاد فرمائی کیوں کہ "وحدت کلمہ" کا دعویٰ اور یہ انتشار دو متضاد رویے اور نظریے ہیں۔ قرآن کریم کے درج ذیل مقامات ملاحظہ فرمایئے۔

(i) ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شئی[1]

بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا مختلف جتھوں (اور مختلف مذہبی گروہوں) میں بٹ گئے۔ (اے رسول! آپ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں)

(ii) ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء ھم البینت واولئک لھم عذاب عظیم[2]

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جس قوم کی توانائی تفرقہ بازی میں صرف ہو اس کی سرزمین غیروں کی جولانگاہ بن جاتی ہے۔ پھر اخلاقی انحطاط اور اباحیت معاشرہ کا حلیہ بگاڑ دیتے ہیں۔ قوم بے حسی اور بے بسی کا شکار ہو جاتی ہے۔ دنیا میں اس سے بڑا عذاب اور کیا ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے اس آیت کی مقصدیت و اہمیت واضح کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہری نے بجا طور پر صحیح لکھا: مسلمانوں کو گروہ بندی اور اختلاف سے منع کیا جا رہا ہے۔ اس کے سامنے گروہ بندی اور اختلاف کی لعنت میں گرفتار قوموں کی خونچکاں داستان اور عبرت ناک کہانی بیان کی جارہی ہے تاکہ مسلمان اسے سنیں اور نصیحت پکڑیں۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین کے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا تھا اور فروعی اور جزوی مسائل کو انہوں نے اتنی اہمیت دے رکھی تھی کہ انہیں کی وجہ سے کفر کے فتوے لگاتے جاتے اور ملت کی وحدت کو اس طرح انتہائی بے دردی سے پارہ پارہ کر دیا جاتا۔ آج ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں۔ ایک خدا، ایک

۱۔ سورہ الانعام: ۱۶۰ ۲۔ سورہ آل عمران: ۱۰۵

رسول، ایک کتاب اور ایک کعبہ رکھنے والی قوم نے اپنے آپ کو بے شمار فرقوں میں بانٹ رکھا ہے اور علماء سو نے ان کے درمیان نفرت وعداوت کی اتنی بلند دیواریں کھڑی کردی ہیں کہ اب ان کے آپس میں مل بیٹھنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ذات پاک مصطفی علیہ التحیۃ والثناء کے فضائل وکمالات پر جب بحث ہونے لگی اور مناظروں کی ضرورت محسوس ہونے لگی تو اب وہ کونسی چیز ہے جو ہمیں اکٹھا رکھ سکتی ہے۔[1]

(iii) افتراق سے اجتناب ایک ایسا حکم ہے جو سابقہ انبیاء کو بھی دیا گیا:

شرع لکم من الدین ماوصی به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراهیم وموسی وعیسی ان اقیمو الدین ولا تتفرقوا فیه.[2]

اس نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور جسے ہم نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجا اور جو ہدایت ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو کی (وہ یہ تھی) کہ دین کو قائم و برقرار رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

یہ نصب العین جو انبیاء و رسل کی عظیم البرکت زندگیوں کا نصب العین تھا، یہی نصب العین آج امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوات واجمل التسلیمات کے لئے من جانب اللہ مقرر کیا گیا ہے اور انہیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آراء واہواء کا اتباع کرکے اپنی جمعیت کو انتشار کا شکار نہ بنادیں اور ایک امت کو متعدد فرقوں میں بانٹ کر بے وقار نہ کردیں کیونکہ اگر انہوں نے اپنی وحدت اور یکجہتی کو فرقہ بازی کی نذر کردیا تو پھر اقامت دین کے فریضہ سے وہ عہدہ براء نہ ہوسکیں گے۔ان کا اتحاد پارہ پارہ ہوجائے گا۔ان کی ہوا اکھڑ جائے گی۔نئے انسانی معاشروں میں اس کو قائم

ا۔ضیاء القرآن جلد اول،ص:۲۶۱ ۲۔سورۃ الشوریٰ:۱۰۳

کرنا تو بڑی بات ہے جہاں جہاں ان کے اسلاف کی کوششوں کے باعث دین قائم ہو چکا ہے وہاں اس کا باقی رہنا بھی مشکوک ہو جائے گا اور اس کا مشاہدہ ہم اپنے ہاں کر رہے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر متحد و متفق رہنے کی ہدایات دی گئی ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار اپنے ارشادات عالیہ، حکیمانہ میں ہمیں بے اتفاقی سے ڈرایا ہے۔

حضرت ابوذر سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ ۱؎ جس نے دانستہ ایک بالشت بھر کے لئے بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کی اس نے گویا گلے سے اسلام کا رشتہ اتار پھینکا۔۲؎

(۱۷) وما تفرقوا الا من بعدما جآءھم العلم بغیا بینھم ۳؎

وہ علم اور آگاہی کے بعد ہی تفرقہ کا شکار ہوئے اور یہ تفرقہ محض حق سے انحراف اور باہمی حسد و عداوت کے باعث تھا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انتشار و افتراق کا سبب واضح کیا ہے۔ یہ کم علمی کی کوکھ سے جنم نہیں لیتا بلکہ باہمی حسد و عداوت کے باعث ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مناسب ہے کہ دور حاضر کے مفسرین کا زاویہ نگاہ پیش کیا جائے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں: اس تفرقہ پردازی کا محرک کوئی نیک جذبہ نہیں تھا، بلکہ یہ اپنی نرالی اپج دکھانے کی خواہش، اپنا الگ جھنڈا بلند کرنے کی فکر، آپس کی ضدم ضدا، ایک

۱۔ اس روایت کے لئے ملاحظہ فرمایئے ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۹۸۱، جلد ۱۳، ص ۱۳۔ ایک روایت میں من عنقہ کی جگہ من راسہ ہے

۲۔ ضیاء القرآن جلد ۴، ص: ۳۶۸ ۳۔ سورۃ الشوریٰ ۱۴

دوسرے کو زک دینے کی کوشش اور مال وجاہ کی طلب کا نتیجہ تھی۔[1]

پیر محمد کرم شاہ الازہری کے بقول: بتادیا کہ لوگوں کا راہ حق سے انحراف اور الگ الگ فرقوں کا معرضِ وجود میں آجانا یہ محض بے علمی اور غلط فہمی کے باعث نہیں ہوتا بلکہ اکثر وبیشتر اس انتشار وافتراق کا باعث ان کا باہمی حسد، عناد اور رقابت ہوا کرتی ہے۔ اپنی برتری کا سکہ جمانے کے لئے اپنی الگ پارٹی بناتے ہیں اور اس طرح ملت کی وحدت میں نقب لگانے کا آغاز کرتے ہیں۔ وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس راہ کو وہ چھوڑ رہے ہیں یہی سیدھی راہ ہے اور جو راستہ وہ اپنا رہے ہیں وہ ان کو اپنی منزل سے دور پھینک دے گا، لیکن اپنی ذاتی اغراض اور اپنی دنیاوی مصلحتیں انہیں ایسا کرنے پر مجبور کردیتی ہیں وہ جانتے بوجھتے ہوئے غلط راہ پر چل نکلتے ہیں: بغیا بینھم کے الفاظ ہم سب کے لئے بڑے توجہ طلب ہیں۔[2]

ناصر مکارم شیرازی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مذہب دشمن عناصر کا رد کرتے ہوئے لکھا: ''معلوم ہوا ان مذہبی اختلافات کا سرچشمہ جہالت اور بے خبری نہیں بلکہ بغاوت، سرکشی، ظلم، راہ حق سے انحراف اور ذاتی آرا تھیں۔ یہ آیت ان لوگوں کے لئے ایک واضح جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مذہب نے آکر آدمیت کے درمیان اختلاف اور انتشار پیدا کردیا ہے اور پوری تاریخ میں مذہب ہی خونریزی کا سبب بنا ہے کیونکہ اگر اچھی طرح غور وفکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمیشہ مذہب ہی اپنے ماحول اور محیط میں اتحاد اور وحدت کا سبب رہا لیکن استعماری سیاست نے لوگوں کے درمیان تفرقہ پیدا کردیا اور اختلاف کو ہوا دی جس سے لوگوں کا خون بہا اور سر پھٹول ہوئی۔ شخصی اور ذاتی خواہشات اور طریقہ کار کو مذہب میں شامل کرلیا گیا اور اسے آسمانی

۱۔ تفہیم القرآن جلد۴، ص:۴۹۳ ۲۔ ضیاء القرآن جلد۴، ص:۳۷۰

مذہب پر مسلط کردیا گیا جس کے نتیجے میں لوگوں کے درمیان تفرقہ بڑھ گیا۔[1]

(۷) واطیعوا اللّٰہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللّٰہ مع الصبرین[2]

اس آیت میں باہمی نزاع کے دو نتیجے بیان کئے گئے ہیں یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہو جاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے باہمی کشاکش اور نزاع سے دوسروں کی نظر میں حقیر ہو جانا تو بدیہی امر ہے لیکن خود اپنی قوت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے کہ اس میں کمزوری اور بزدلی آ جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی اتحاد و اعتماد کی صورت میں ہر ایک انسان کے ساتھ پوری جماعت کی طاقت لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے ایک آدمی اپنے اندر بقدر اپنی جماعت کے قوت محسوس کرتا ہے اور جب باہمی اتحاد و اعتماد نہ رہا تو اس کی اکیلی قوت رہ گئی وہ ظاہر ہے جنگ وقتال میں کوئی چیز نہیں۔[3]

(۷۱) قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض[4]

فرمایئے وہ اس پر قادر ہے تم پر عذاب بھیجے، تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے، یا تمہیں مختلف گروہوں کی صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ بھڑا دے۔

اس آیت مبارکہ میں عذاب کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

(الف) عذابا من فوقکم (ایسی سزائیں جو اوپر سے آتی ہیں مثلاً خطرناک بارش، بجلی کی کڑک، بلند پرواز طیارے اور راکٹ، ایٹم بم، ظالم حکمران)

(ب) من تحت ارجلکم (زلزلے، زمین کو ویران و برباد کرنے والے شگاف، دریاؤں اور سمندروں کے طوفان، بارودی سرنگوں کا پھٹنا، کمینے اور بدکار اہل کار)

(ج) درج بالا عذابوں کے علاوہ سخت ترین عذاب، انسانوں کے برے اعمال، خود پرستی و خود خواہی اور شخصی مفادات کے نتیجے میں، انتشار اور بے اتفاقی کی وبا کا پھوٹ پڑنا ہے۔ دونوں عذابوں کے ساتھ اس تیسرے عذاب کا ذکر اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اختلاف و پراگندگی اور نفاق و انتشار کے نتیجے میں جو تباہی و ویرانی

۱۔ تفسیر نمونہ جلد ۱۱ص ۷۰ ۔ ۲۔ سورۃ الانفال: ۴۶

۳۔ معارف القرآن جلد ۴ ص ۲۵۳-۲۵۴۔ ۴۔ سورۃ الانعام: ۶۵

ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی زلزلوں اور طوفانوں سے کم نہیں ہوتی۔

خلاصہ بحث:

ان آیات قرآنی میں اتحاد و اتفاق کی افادیت واہمیت اور تشتت وافتراق کے بھیانک نتائج تو ظاہر ہوتے ہی ہیں مگر ساتھ ہی انتہا پسندی کے عواقب و عوامل کے بارہ میں قرآنی فکر کا خاکہ بھی سامنے آتا ہے۔ ایک مضبوط فکری بنیاد کی حامل قوم جب وحدت کی لڑی میں پروئی رہتی ہے، راہ اعتدال و توازن پر گامزن رہتی ہے مگر جیسے ہی وہ گروہ بندی کا شکار ہو کر اختلاف (اختلاف رائے نہیں، اختلاف مذموم) کا شکار ہوتی ہے اس میں انتہا پسندی کے جراثیم نشو و نما پانا شروع ہو جاتے ہیں۔ اتحاد کی ضرورت واہمیت اور انتشار و پراگندگی کے سنگین نتائج کے حوالہ سے درج بالا آیات سے یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

(۱) مسلمانوں کی اجتماعی قوت کے دو بنیادی اصول ہیں:

(ا) تقوی (ب) باہمی اتفاق

(۲) اتحاد و اتفاق کی بنیاد بھی دو چیزوں پر ہے:

(ا) اطاعت و اتباع رسول (ب) صبر

(۳) گروپ بندی کرنے والوں کو مختلف قسم کی وعیدیں سنائی گئیں

(ا) ایسے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں (ب) انتشار بزدلی لاتا ہے اور دشمن کی نظر میں حقیر بناتا ہے اور یہ تفرقہ زلزلوں اور طوفانوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

(۴) قرآن کریم نے گروہ بندیوں کے معرض وجود میں آنے کے اسباب بھی واضح کیے ہیں۔

(ا) آباؤ اجداد کی اندھی تقلید حق کو قبول کرنے میں بڑی رکاوٹ کی صورت میں ایک نئے گروپ کو تشکیل دیتی ہے۔

(ب) باہمی حسد، رقابت، بغض وعناد اور ذاتی مفادات نئے نئے گروپ/ مسلک/ افکار کو جنم دیتے ہیں۔

اتحاد کی تلقین اور انتشار کی ممانعت

ارشادات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں

قرآنی آیات سے واضح ہو گیا کہ انتہا پسندی کا عملاً خاتمہ ناممکن ہے۔ جب تک قوم میں ہر سطح پر اتحاد و اتفاق نہ ہو۔ اسی طرح ذاتی اغراض و مقاصد پر مبنی گروہ بندیوں سے اجتناب بھی اس عمل کے لئے ضروری ہے۔ اس حوالے سے ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بھی قرآنی آیات کی تشریح و توضیح ملتی ہے۔ آپ نے کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر صرف اس لئے تعمیر نہ فرمایا کہ قوم میں انتشار نہ پیدا ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے امت سے ازحد پیار و محبت کی وجہ سے اخوت و محبت کی تلقین ہی نہیں فرمائی بلکہ انتشار باہمی سے بچنے کا حکم بھی دیا۔ اسی طرح ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جن میں آپ نے امت میں افتراق کی خبر دی ہے۔ یہ خبر درحقیقت امت کے لئے انتباہ (warning) کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسے مفاہیم کی چند روایات درج ذیل ہیں

(۱) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں کو پسند کرتا ہے اور تین کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے

(ا) ان تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئا

تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(ب) ان تعتصموا بحبل اللہ جمیعا

۱۔ بخاری میں کتاب العلم، مسلم کی کتاب الحج، نقض الکعبہ و بناءھا میں اس سلسلہ کی روایات موجود ہیں

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔

(ج) وَلَا تَفَرَّقُوْا

اور افتراق نہ کرو۔

فضول بحث کرنے، بکثرت سوال کرنے اور مال ضائع کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔[1]

۲۔ ابغض الرجال الی اللّٰہ الالدالخصم۔[2]

اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ آدمی وہ ہے جو جھگڑالو ہو۔

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

ان اللّٰہ یحب الرفق فی الامر کلہ[3]

اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔

۴۔ لاتباغضوا ولاتحاسدو ولا تدابروا وکونوا عباداللّٰہ اخوانا۔[4]

ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ حسد کرو، باہم روگردانی بھی نہ کرو اور اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔

۵۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو فرمایا:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا۔[5]

لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا، سختی میں نہ ڈالنا، خوش کرنا، نفرت نہ

۱۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الاقضیہ، النھی عن کثرہ السوال واضاعۃ المال

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب الالدالخصم وھو الدائم فی الخصومۃ

۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الرفق فی الامر کلہ

۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب الھجرۃ وقول ......

۵۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب قول النبی یسرو ولا تعسروا

دلانا، اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا۔

۶۔ حدیث قدسی ہے:

انی حرمت علی نفسی الظلم و علی عبادی فلا تظالموا [۱]

میں نے اپنے اوپر اور اپنے بندوں کے اوپر ظلم کو حرام کر دیا ہے سو ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

۷۔ من لعن مومنا فھو کقتلہ و من قذف مومنا بکفر فھو کقتلہ [۲]

جس نے مومن پر لعنت کی تو یہ اسے قتل کرنے کے مترادف ہے اور جس نے ایمان والے پر کفر کا الزام لگایا تو یہ بھی ایسا ہے جیسے اسے قتل کیا۔

۸۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت علی اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنھم سے روایت ہے: المومن لمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً. [۳]

مومن دوسرے مومن کے لئے دیوار کی طرح ہے کہ ایک حصہ دوسرے حصہ کی تقویت کا باعث بنتا ہے۔

۹۔ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں: کفی بک اثما لاتزال مجاصما (ھذا حدیث غریب) [۴]

تمہارے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ تم مسلسل جھگڑتے رہو۔

۱۰۔ لایحل للمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث. [۵]

کسی مسلمان کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ

۱۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب البر و الصلة و الادب، باب تحریم الظلم
۲۔ محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب ماینھی من السباب و اللعن
۳۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، ابواب البر و الصلة باب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم
۴۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، ابواب البر و الصلة باب ماجاء فی المراء
۵۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، ابواب البر و الصلة باب ماجاء فی کراھیة الھجرة للمسلم

ناراض ہو۔

۱۱۔ حضرت جابر سے روایت ہے: ان الشیطان قد ایس ان یعبدہ المصلون ولکن فی التحریش بینھم۔۱؎ ۲؎

شیطان اس چیز سے مایوس ہو گیا ہے کہ عبادت گزار اس کی عبادت کریں مگر یہ کہ وہ آپس میں تفرقہ ڈلوادے۔

احادیث افتراقِ امت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت میں افتراق واختلاف کی اطلاع بھی دی اور ارشاد فرمایا کہ امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ان احادیث کی روشنی میں ہر گروہ اپنے آپ کو برحق جانتا ہے اور دوسرے مکاتب فکر کو باطل سمجھتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں تصلب مذہبی نے جنم لیا۔ اس لئے ان روایات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

۱۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: الا ان من قبلکم من اھل الکتاب، افترقوا علی ثنتین وسبعین ملۃ، وان ھذہ الامۃ ستفترق علی ثلاث وسبعین، ثنتان وسبعون فی النار، وواحدۃ فی الجنۃ، وھی

۱۔ (ترمذی، محمد بن عیسی، السنن، ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی التباغض)

۲۔ امام قرطبی نے فی التحریش بینھم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: فی الخلاف، والشرور، والعداوۃ والبغضاء بینھم حتی تکون من ذلک أمثال تلک الفتن العظیمۃ والخطوب الجسمیہ۔

(القرطبی، احمد بن عمر (۶۵۶ھ) المفہم، تحقیق محی الدین دیب مستو، دار ابن کثیر بیروت ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء، جلد ۷، ص ۳۱۰)

الجماعة۔[1] [2]

بے شک تم سے پہلے اہل کتاب ۷۲ گروہوں میں تقسیم ہو گئے، بے شک یہ امت ۷۳ گروہوں میں بٹ جائے گی ان میں سے ۷۲ آگ میں ہوں گے اور ایک جنت میں جائے گا اور وہ ایک گروہ الجماعة ہے۔

۲۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لیاتین علی امتی ما أتی علی بنی اسرائیل، حذو النعل بالنعل، حتی ان کان منهم من اتی امه علانية، ليكون في امتي من يصنع ذلك، وان بني اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وستفترق امتي على ثلاث وسبعين ملة كلها في النار الا واحدة، قالوا: من هي يارسول الله؟ قال من كان على ماانا عليه واصحابي.[3]

میری امت کے لوگ ضرور وہ کام کریں گے جو بنو اسرائیل کرتے تھے، برابر برابر، حتی کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ عمل کریں گے اور بے شک بنو اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے اور ایک فرقے کے سوا وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ

۱۔ ابوداؤد، امام، السنن، کتاب السنة

۲۔ اس روایت کا ایک راوی ازھر بن عبداللہ الحرازی متکلم فیہ ہے۔ مگر نقاد حدیث نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ حاکم نے کہا هذه اسانيد تقام بها الحجة، في تصحيح هذا الحديث۔ ابن حجر نے کہا اسناده حسن۔ (ان اقوال کے لئے ملاحظہ فرمایئے: الامیر الصنعانی، محمد بن اسماعیل حدیث افتراق الامة تحقیق سعد بن عبداللہ دار العاصمة الریاض ۱۴۱۵ھ، ص: ۴۹)

۳۔ ترمذی، محمد بن عیسی، السنن، کتاب الایمان،

کون لوگ ہوں گے۔فرمایا: جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔[1]

اس مضمون کی روایات تقریباً ۱۵ اصحابہ سے مروی ہیں۔[2] جن میں اس افتراق کی خبر دی گئی ہے اس مضمون کی روایات کی اسناد پر بحث کرتے ہوئے علمائے حدیث نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ کثرت طرق کی بنا پر درجہ صحت کو پالیتی ہیں۔ الشیخ صالح المقبلی لکھتے ہیں: حدیث افتراق الامة الی ثلاث وسبعین فرقة، روایاته کثیرة، یشد بعضها بعضاً، بحیث لایبقی ریبة فی معناها.[3]

تہتر فرقوں میں اُمتِ (مسلمہ) کے منقسم ہوجانے سے متعلقہ حدیث کی روایات بہت سی ہیں جو ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں اس طرح کہ اس کی معنوی حیثیت شک وشبہ سے بالاتر ہوجاتی ہے۔

۱۔ ابن ماجہ نے حضرت عوف بن مالک سے اس روایت کو کتاب الفتن میں نقل کیا، اور یہ حضرت انس سے بھی یہ روایت نو اسناد سے مروی ہے۔ لیکن کوئی بھی سند ضعف سے خالی نہیں۔ ان اسناد پر تبصرہ کرتے ہوئے سعد بن عبداللہ نے لکھا ہے۔ وکل طریق لایخلو من مقال؟ لکن الطرق بمجوعها تبین أن الحدیث یصح، خصوصاً وأن الشواهد کثیره بحمدالله لهذا الحدیث. (حدیث افتراق الامة، ص:۵۲)

۲۔ (مبارکپوری، عبدالسلام، مرعاة المفاتیح، جلداول، ص:۲۷۷-۲۷۶/العجلونی، اسماعیل بن محمد (۱۱۴۶ھ)، کشف الخفاء ومزیل الالباس، تحقیق: عبدالمجید هنداوی، المکتبه العصریه بیروت ۲۰۰۰ء، جلداول، ص:۱۷۰/الزبیدی، سید محمد بن الحسینی، اتحاف السادة المتقین، مؤسسة التاریخ العربی، بیروت، ۱۹۹۴، جلد۸، ص:۱۴۰/ میرٹھی، محمد بدر عالم، ترجمان السنة، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی، جلداول، ص:۲۱-۲۲/الجامع لاحکام القرآن، جلد۴، ص: ۱۶۴/ محمد الحداد، ابوعبداللہ محمود، تخریج احادیث احیاء علوم الدین، للعراقی وابن السبکی والزبیدی، دارالعاصمة الریاض، ۱۹۸۷ء/ ۱۴۰۸ھ جلد۴، ص: ۱۸۷۸-۱۸۸۲) محمد بن طولون الصالحی، الشذره فی الاحادیث المشتهره، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۹۹۳، جلداول ص ۲۱۴

۳۔ (الالبانی، محمد ناصرالدین، سلسلة الأحادیث الصحیحة، مکتبہ المعارف الریاض، ۱۴۱۵ھ جلداول، ص:۴۱۱)

امام ابن کثیر نے بھی لکھا ہے کہ ان روایات کی ہر سند دوسری کو تقویت دیتی ہے۔[1] عبدالسلام مبارکپوری نے لکھا ہے کہ افتراق امت والی بعض صحیح، بعض حسن اور بعض ضعیف ہیں اور حاصل کلام کو ان الفاظ میں بیان کیا و تحصل منه ان حديث افتراق الامة صحيح من غير شک۔[2]

عراقی نے بھی کہا: اسانید ها جیاد۔[3]

ابن حزم اور مجد الدین فیروز آبادی نے محققین کی ان آراء سے اختلاف کرتے ہوئے عدم صحت کا کہا ہے۔ علماء کی ان تحقیقات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ افتراق امت ایک ایسی غیبی حقیقت ہے جس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی مگر ان روایات کی بنیاد پر دیگر مکاتب فکر کو باطل، کلیتہً گمراہ سمجھنا اور کافر قرار دے کر جہنمی بنا دینا انتہاء پسندی کا طرز عمل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ان احادیث کے بارہ میں چند بنیادی حقائق کا ذکر کر دیا جائے:

ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت میں افتراق کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔ تفترق امتی یعنی میری امت میں افتراق ہو جائے گا۔ گویا آپ نے افتراق زدہ امت کو اپنی امت فرمایا ہے۔ اسی لئے علامہ سندی نے لکھا المراد امة الاجابة وهم اهل القبلة۔[4]

ابن قیم لکھتے ہیں:

ا۔ ابن کثیر، عماد الدین، (۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم جلد ۲، ص: ۶۰۴

۲۔ مرعاۃ المفاتیح جلد اول ص: ۲۷۷

۳۔ احیاء العلوم الدین: دارالخیر بیروت ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ، جلد ۳، ص: ۳۹۹-۴۰۰

۴۔ سندی، ابوالحسن حنفی، حاشیہ سنن ابن ماجہ، دارالمعرفۃ، بیروت، ۲۰۰۰ھ/ ۱۴۲۰ء جلد ۴، ص: ۳۵۶

فیہ دلالة على أن هذه الفرق كلها غير خارجة من الدين. اذ قد جعلهم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كلهم من امته وفيه : ان المتاول لا يخرج من الملة وا اخطا فى تأوله[1]

رسول اللہ نے ان فرقوں کو میری امت فرمایا ہے۔اس میں یہ دلیل ہے کہ تمام فرقے دین سے خارج نہیں ہیں اوراس میں یہ دلیل ہے کہ جوفرقہ کسی تاویل سے کوئی نظریہ رکھے وہ ملت سے خارج نہیں ہوگا۔خواہ اس نے تاویل میں خطا کی ہو۔

۲۔ ان روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امت کا ایک گروہ بغیر کسی سزا کے جنت میں جائے گا۔مگر دوسرے گروہ اپنے اپنے جرائم کی سزا پانے کے بعد جنت میں ہی جائیں گے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۷۲فرقوں کے خلود فی النار کی وعید نہیں سنائی صرف دخول فی النار کا ذکر فرمایا ہے دیگر احادیث میں بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے والوں اور جہنم سے سزا پانے کے بعد آخری آدمی کے جنت میں جانے کا تذکرہ موجود ہے۔

اس سلسلہ میں چند اہل علم کی عبارات نقل کی جاتی ہیں:

(ا) امام طیبی لکھتے ہیں:انهم يد خلونها بذنوبهم ثم يخرج منها من لم تفض به بدعته الى الكفر برحمته[2]

وہ اپنے گناہوں کے باعث دوزخ میں داخل ہوں گے پھر ان میں سے وہ جس کی

۱۔ابن قیم تہذیب ،المکتبۃ الاثریہ پاکستان، تحقیق محمد حامد الفقی ۱۹۷۹ء/۱۳۹۹ھ، ج ۷،ص:۴

۲۔الطیبی محمد بن عبداللہ (۷۴۳ھ)،الکاشف عن حقائق السنن، تحقیق ابوعبداللہ محمد علی سمک، دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۱ء، جلداول، ص:۳۶۸،اس عبارت کو مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۳۹۴) نے التعلیق الصبیح مطبوعہ داراحیاء التراث العربی ۲۰۰۴ء، جلداول، ص:۲۰۵ پر نقل کیا ہے

بدعت اسکو کفر تک نہ لے گئی ہوگی وہ اللہ کی رحمت سے اس (دوزخ) سے نکل آئے گا۔

(ب) امام ذھبی لکھتے ہیں: واذ قال المسلم: [رَبَّنَا اغْفِرْلنا ولاخْوَاننا الَّذِيْنَ سَبَقُونا بالايمانِ] يقصد كلَّ من سبقه من قرون الامّة بالايمان، وان كان قد أخطأ في تأويل تأوّله مخالف السنّة، أو أذنب ذنبا، فإنه من إخوانه الذين سبقوه بالإيمان، فيدخل في العموم وإن كان من الثنتين والسبعين فرقة، فإنه مامن فرقة إلّا وفيها خلق كثير ليسوا كفاراً، بل مؤمنين، فيهم ضلال وذنب يستحقّون به الوعيد كما يستحقه عصاة المؤمنين، والنبي ﷺ لم يخرجهم من الإسلام، بل جعلهم من أُمّته ولم يقل إنّهم يخلدون في النار، فهذا أصل عظيم ينبغي مراعاته[1]

اور جب مسلمان یہ کہتے: ربنا اغفرلنا .... بالایمان تو اس سے مراد، وہ سارے گروہ ہیں جو ایمان سے متصف ہیں، اگر چہ وہ اپنی اس تاویل میں خطا کرتا ہے جو کہ مخالف سنت ہے یا اس نے گناہ کیا ہے لیکن وہ ہے تو اپنے ان بھائیوں میں سے ہی جو اس سے قبل ایمان کی حالت میں گزر چکے ہیں۔ پس وہ عموم میں داخل ہوجائے گا۔ اگر چہ وہ ہے تو بہتر فرقوں میں سے ہی۔ کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں جس سے زیادہ لوگ کافر ہوں بلکہ اکثر مومن ہی ہیں۔ ان میں گمراہی اور گنہگاری پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ وعید کے مستحق ہیں جس طرح مومنوں میں نافرمان اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیا بلکہ انہیں اپنا امتی قرار دیا اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ دائما دوزخ میں رہیں گے۔ یہ اس معاملہ میں اصل عظیم ہے جس کا

۱۔ حدیث افتراق الامۃ ص: ۲۳-۲۴

لحاظ رکھا جانا چاہیے۔

(ج) امام غزالی کا نکتہ نظر، شاہ عبدالعزیز نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے، جسے مولانا بدر عالم میرٹھی نے یوں نقل کیا ہے: ''ہمارے نزدیک حدیث کی راجح مراد وہ ہے جو حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے بیان فرمائی ہے اور جس کو شاہ عبدالعزیزؒ نے جزوی اصلاح کے ساتھ اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس ایک فرقہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو بلا کسی ادنیٰ عذاب کے جنت میں جائے گا اور یہ وہ ہوگا جس میں اعتقادی اور عملی کسی پہلو سے بھی بدعت نے راہ نہ پائی ہوگی۔ اگر بناء بر بشریت کوئی عملی کمزوری اُن سے سرزد بھی ہوگئی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت یا اُسے معاف کردے گی ورنہ قبر اور محشر کے شدائد میں کہیں اس کا حساب کرلے گی۔ اس کے بالمقابل جو باطل فرقے ہیں ان کو اپنے افتراق وتشتت کی سزا بھگتنا پڑے گی، اس کے بعد وہ بھی جنت میں چلے جائیں گے۔ آخر کار اس امت کا ہر ہر فرقہ کچھ عذاب پاکر یا بلا عذاب جنت میں داخل ہوجائیگا''۔[1]

(د) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی۔ ہر فرقہ مختلف اعتقادی اور نظریاتی راہیں اختیار کرے گا۔ ان اعتقادی ونظریاتی اختلافات کے پیشِ نظر ہر فرقہ ایک دوسرے سے دور ہوتا جائے گا۔ حتیٰ کہ ان میں سے ۷۲ فرقے اپنی گمراہی وبداعتقادی کی وجہ سے جہنمی ہوں گے اور اس وقت تک جہنم کی سختیاں برداشت کرتے رہیں گے جب تک اللہ چاہے گا۔ ان میں سے ایک فرقہ اپنے خلوص وحسن اعتقاد کی بدولت

۱۔ ترجمان السنۃ، جلد اول، ص: ۷۸

نجات یافتہ ہوگا۔ آپ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو میرے مذہب اور میرے صحابہ کے مذہب پر عمل پیرا ہوگا۔ جس فرقہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا وہ اہل سنت و جماعت ہیں کیونکہ یہ لوگ دین وعقیدت میں سنت رسول واعمال صحابہ کے پیروکار ہیں اور اپنی عقل پر اعتماد کرنے کی بجائے خدا اور رسول کی بتائی ہوئی راہوں پر چلنے کو ہی حاصل زندگی خیال کرتے ہیں۔ ان ۷۲ فرقوں کو اہل بدعت وضلالت اہل ہوا واہل قبلہ کہا جاتا ہے۔ مگر (میرے نزدیک) اس بدعت وضلالت کے باوجود وہ کافر نہیں ہیں اور نہ ہی دائرہ اسلام سے باہر ہیں کیونکہ وہ اہل سنت و جماعت سے ہر مسئلہ میں اختلاف نہیں کرتے بلکہ بعض مسائل وعقائد میں غلو کر جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے بعض آیات واحادیث کے معانی بعض تاویلات سے بدل لئے ہیں اور راہ سنت سے انحراف کر لیا ہے۔

اندریں حالات ہمیں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ کفر اور ضلالت میں فرق محض اسی قدر ہے جس طرح ایک ہی قافلے کے لوگ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مشرق کا رخ کریں اور اثنائے راہ میں بعض ہمراہی شمال وجنوب کو روانہ ہو جائیں اور تاویل کر لیں کہ اس راہ سے ہم اپنی منزل پر جلد ہی پہنچ جائیں گے مگر جوں جوں وہ بڑھتے گئے صحیح راستے سے دور ہوتے گئے۔ مدتوں آوارہ پھرتے رہے۔ ہزاروں مصائب اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ مگر بعض ایسے بھی ہیں جو اپنی بے راہ روی میں راہ راست کو نہ پا سکے اور ہلاک ہو گئے اور بعض ٹھوکریں کھانے کے بعد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ اس قسم کے لوگ اہل ضلالت کہلاتے ہیں۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندانند حقیقت رہ افسانہ زدند

اسلام کے ان ۷۲ فرقوں کا باہمی نزاع اور جنگ واختلاف ایک قابل قبول عذر ہے۔ انہیں مطعون نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگ حقیقت حال معلوم کرنے میں ناکام رہے۔ حکایات گذشتہ اور حالاتِ وارفتہ پر اکتفا کر کے بیٹھ گئے اور نادانی سے باہم نزاع واختلاف کرنے لگے مگر جن لوگوں نے مطلقاً مشرق کی بجائے اپنا رخ مغرب کو کر کے اپنی منزل مقصود ہی جداگانہ بنا لی انہیں کافر کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانیوں اور عنایتوں سے ہدایت پر رکھے۔[1]

(ہ) علامہ سندی لکھتے ہیں۔ ان ارید الخلود فیھا فھو خلاف الاجماع فان المومنین لایخلدون فی النار وان ارید مجرد الدخول فیھا مشترک بین الفرق اذمامن فرقة الابعضھم عصاة.[2] اگر ہمیشگی مراد لی جائے تو وہ خلاف اجماع ہے۔ بلاشبہ مومنین تو دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اور اگر صرف دخول فی النار ہی مراد لیا جائے تو یہ تمام فرقوں کے درمیان مشترک ہے کیونکہ کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں جس میں کچھ نہ کچھ نافرمان نہ ہوں۔

(ز) محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی لکھتے ہیں: واحادیث الغرباء قددلت اوصافھم بانھم ھم الفرقة الناجیة فی ذلک الزمان، ولیسوا بفرقة مشار الیھا کالاشعریة، أوالمعتزلة مثلاً بل ھم النزاع من القبائل کما

۱۔ عبدالحق، شیخ، (۱۰۵۲ھ) مرج البحرین، ترجمہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ لاہور، ص: ۳۱-۳۲

۲۔ حاشیہ سنن ابن ماجہ جلد ۴، ص: ۳۵۶

فی الحدیث[1]

وھم متبعوا الرسول صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم، اتباعا قولیا و فعلیا، من ای الفرقة کانت۔ [2] احادیث غرباء میں غرباء کے اوصاف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس زمانے وہی فرقہ ناجیہ ہوں گے اور یہ وہ فرقہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسے اشعریہ اور معتزلہ بلکہ وہ مختلف قبائل سے منتخب لوگ ہیں جیسے کہ عبداللہ بن مسعود سے مروی حدیث مبارکہ میں یہ پیروان رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ قول و فعل دونوں کے لحاظ سے اور ان کا تعلق کسی بھی فرقے سے ہو۔

اھل علم کی یہ آراء اس مؤقف کی تائید کرتی ہیں ہر مسلم مکتبہ فکر سے وہ لوگ جنہوں نے صحابہ کی طرح اطاعت و اتباع رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہر ممکن کوشش کی اور بدعات سے اجتناب کیا، وہ طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ ہے جو بغیر کسی سزا کے جنت میں جائیں گے اور باقی کثیر لوگ اپنے گناہوں کی سزا پا کر جنت میں داخل ہوں گے۔ اسی لئے نجات یافتہ لوگوں کے لئے ان شخصیات کو بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے جنہوں نے فیوضات نبوی سے بہرہ مند ہو کر یقینی جنت حاصل کی۔ ما انا علیہ الیوم

1۔ عن عبداللہ بن مسعود -رضی اللّٰہ عنہ- قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم: ان الاسلام بدأ غریباً، وسیعود غریبا کما بدأ، فطوبی للغرباء، قیل: ومن الغرباء؟ قال: النزاع من القبائل، مسند احمد رقم الحدیث ۳۷۸۴

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: اسلام غربت کی حالت میں شروع ہوا اور آگے پھر غربت ہی کی طرف لوٹ آئے گا جیسے ابتداء میں تھا۔ پس خوشخبری ہے غرباء کے لئے۔ عرض کیا گیا: غرباء کون ہیں فرمایا: مختلف قبائل کے منتخب لوگ)

2۔ حدیث افتراق الامة ص: ۹۱-۹۳

واصحابی[1]

امام غزالی نے اسی طائفہ منصورہ کو افراط و تفریط سے پاک قرار دیا ہے: وما کان لهم فی الامور تفریط ولا افراط بل کان امرهم بین ذلک قواما، وذلک العدل والوسط بین الطرفین وهو احب الامور الی اللہ تعالیٰ[2]

امام غزالی کی اس تحریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ صحابہ کے ہاں دین اور دنیا کے امور میں اعتدال و میانہ روی کا طرز عمل تھا اور غلو سے پاک اسی تصور کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۳۔ نجات یافتہ گروہ کے لئے بھی "الجماعة" کی تعبیر آئی ہے جو ملت کے افراد میں باہم وحدت کو ظاہر کرتی ہے۔ امام طبری نے یہ رائے بھی دی ہے کہ جماعت سے مراد جماعت المسلمین جو امام برحق کی خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے افتراق و انتشار سے بچے۔[3] اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لزوم جماعت کی تاکید فرمائی ہے۔

درج بالا مباحث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حدیث افتراق امت درحقیقت امت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحیثیت "نذیر" ایک تنبیہ ہے[4] اور ایسے حالات میں نجات و فلاح کی تدبیر ہے نہ کہ اس کی بنیاد پر انتہا پسندانہ رویے

۱۔ الہندی، علی متقی (د ۹۷۵ھ) کنز العمال، تحقیق محمود عمر الدمیاطی، دار الکتب العلمیة بیروت ۲۰۰۴ء، جلد ۱، ص: ۱۰۵۴

۲۔ اتحاف السادة المتقین جلد ۸، ص: ۱۴۱-۱۴۲

۳۔ اس نکتہ نظر کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الاعتصام، مکتبہ التجاریہ مصر، جلد ۲، ص: ۲۶۵

۴۔ امام شاطبی لکھتے ہیں: کلها فی النار الا واحدة، فانما یقتضی انفاذ الوعید ظاهر۔ الاعتصام جلد ۲، ص: ۱۹۸

اختیار کرکے ایک مسلم گروہ کا دوسرے کو نار جہنم کا دائمی مستحق بنانا۔ امام رازی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کسی ایک وقت کی کیفیت سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے نہ کہ یہ کیفیت واحوال ہمیشہ رہیں گے کہ امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم رہے گی[۱]

انتشار وافتراق کے اسباب۔ احادیث کی روشنی میں:

احادیث مبارکہ کا جائزہ لینے سے انتشار وافتراق کے جو اسباب سامنے آتے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ اتباع اھواء[۲]

۲۔ محدثات[۳]

۳۔ بغض[۴]

۴۔ کثرت سوال تعمق فی الدین[۵] احادیث مبارکہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اختلاف لڑائی جھگڑے کے نتیجہ میں جس نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ برکت کا اٹھ

۱۔ رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، دار احیاء التراث العربی بیروت جلد ۲۲، ص: ۲۱۹)

۲۔ هذه الامة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة - يعني الاهواء - كلها في النار بیہقی، احمد بن الحسین (۴۵۸ھ) دلائل النبوۃ، تحقیق عبدالمعطی قلعجی، دار الفکر بیروت، جلد ۶، ص: ۵۴۲

۳۔ المستدرک جلد ۱ ص: ۱۹۸

۴۔ اياكم والبغضة فانها هي الحالقة. لا اقول لكم تحلق الشعر ولكن تحلق الدين. صحيح الادب المفرد، ص ۱۹۷

۵۔ دعوني ما تركتكم فانما اهلك من كان قبلكم سوالهم واختلافهم على انبيائهم، فاذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه. واذا امرتكم فاتوا منه ما استطعتم، بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله۔

جانا اور باہم سر پھٹول ہے۔ اس سلسلہ میں صرف دو احادیث نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جن سے پتہ چلے گا کہ خیر القرون میں افضل ترین اور معزز ترین گروہ میں اختلاف/ جھگڑا ہوا، تو اس کا نتیجہ آج تک امت بھگت رہی ہے۔

(ا) اپنے وصال سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعرات کے دن فرمایا کہ کاغذ و قلم لاؤ میں، تمہیں ایسی چیز لکھ دوں کہ کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے اور ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے پھر **فاختلف اهل البيت فاختصمو فمنهم**۔ اس مسئلہ میں گھر والوں کا اختلاف ہوا اور وہ آپس میں بحث کرنے لگے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ان کی بحث وتمحیص بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا: اٹھ جاؤ۔ حضرت ابن عباس یہ کہتے تھے: **ان الرزية كل الرزيه ماحال بين رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم وبين ان يكتب لهم ذلك الكتاب من اختلافهم ولغطهم** کہ سب سے بڑی پریشانی کی بات وہ بحث وتمحیص تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لکھوانے کے درمیان حائل ہوگئی۔

بارگاہ نبوت میں اس بحث وتمحیص سے خیر و برکت اٹھ گئی اور امت اختلاف کا شکار ہوگئی۔ حضرت ابن عباس کو اسی وقت ان سنگین نتائج کا اندازہ ہو گیا تھا جن کا سامنا امت کو کرنا پڑے گا۔ اسی وجہ سے سعید بن جبیر کہتے ہیں: حضرت ابن عباس نے کہا: **يوم الخميس، وما يوم الخميس ثم جعل تسل دموعه حتى رايت على خديه كانها نظام اللولوء**. جمعرات کا دن! جمعرات کا دن بھی کس قدر ہولناک دن تھا، پھر ابن عباس اس قدر روئے کہ ان کے رخساروں پر آنسو اس طرح بہنے لگے جیسے موتیوں کی لڑیاں ہوں۔[1]

1۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الوصیة، باب ترک الوصیة لمن لیس له شی یوصی فیه

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب قدر کے بارہ میں بتانے کے لئے باہر تشریف لائے، دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے۔ آپ نے فرمایا: خرجت لاخبرکم بلیلة القدر فتلاحی ا۔فلان وفلان فرفعت میں تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے آیا تھا، فلاں فلاں لڑ پڑے تو یہ اٹھالی گئی، گویا لڑائی اور جھگڑے کی بدولت یہ خاص رات اٹھالی گئی اور آخری طاق راتوں میں اسے تلاش کرنے کا حکم دیا گیا۔[۲]

افتراق وانتشار کا تدارک۔تعلیمات نبوی کی روشنی میں

گذشتہ صفحات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف احادیث نقل کی گئیں، جن میں آپ نے وحدت امت کا پیغام دیا اور باہم دست و گریباں ہونے کی ممانعت فرمائی۔ اختلاف وانتشار آپ کو سخت ناپسند تھا۔ کبھی کوئی ایسا امر ملاحظہ فرماتے تو چہرہ اقدس سرخ ہو جاتا۔ آج ہم بھی، جب امت میں اختلاف کی کوشش کریں تو ہمارے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کی یہ ناراضی والی کیفیت، فوراً سامنے آجانی چاہیے اور یہی ذریعہ ہوگا اس مذموم فعل سے رک جانے گا۔ اس عملی طریقہ کے علاوہ کتب احادیث میں موجود ابواب الفتن میں آپ نے فتنہ، جو انتہاپسندی کا مظہر ہے، سے بچنے کی مختلف تدابیر ارشاد فرمائی ہیں۔ ذیل میں آپ کی تعلیمات سے چند نکات پیش کیے جاتے ہیں:

(ا) پہلی چیز تقویٰ ہے جو زندگی میں محتاط روش کو اختیار کر لینے کا نام ہے۔ افتراق وانتشار، انتہاپسندی کے دور میں تقویٰ ہی وہ زاد راہ ہے جو انسان کو اعتدال وتوازن کی راہ پر چلاتا ہی۔ اسی لئے آپ نے جب یہ ذکر فرمایا کہ تم میں سے بعد

۱۔ المخاصمة، والمنازعة والمشاتمة، فتح الباری جلد ۴، ص: ۲۶۸

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب الصوم، باب رفع معرفة لیلة القدر لتلاحی الناس

کثیر اختلاف دیکھو گے تو ابتدا ہی میں فرمادیا علیکم بتقوی. [1]

(ب) انتشار و اختلاف/ انتہا پسندی کے زمانے کے لئے آپ نے یہ دو بنیادی اصول مرحمت فرمائے، اور ان پر سختی سے عمل کی تلقین فرمائی:

فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ [2]

یعنی

(i) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی کا طرز عمل سامنے رکھنا ہوگا۔ زندگی کے مختلف حالات و معاملات میں جس طرز عمل کو اختیار فرمایا وہی راہ نجات ہوگا۔

(ii) خلفائے راشدین نے حیات نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کے شب و روز سے جو کچھ سیکھ کر عملاً نافذ کر کے دکھایا، شب ظلمت میں وہی پیغام ہدایت و فلاح ہے۔

(ج) تعلیمات نبوی میں اختلاف اور انتشار کی صورت میں صلح کروانا اہم فریضہ ہے۔ آپ نے حضرت امام حسن کو صلح و آشتی اور امن و سلامتی کی علامت بنا کر پیش کیا ہے۔ عمران نامی انصاری صحابی کا اپنی بیوی ام زید سے جھگڑا ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں خاندانوں کو بلا کر صلح کروادی۔ [3]

یہ وہ بنیادی تعلیمات ہیں جو ہماری صفوں میں وحدت و یگانگت پیدا کر سکتی ہیں۔

۱۔ الحاکم محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین: تحقیق ڈاکٹر محمد مطرجی، دارالفکر بیروت، ۲۰۰۲ء/۱۴۲۳ھ) کتاب العلم، جلد اول ص: ۱۹۸

۲۔ المستدرک جلد اول ص: ۱۹۶/ دلائل النبوۃ جلد ۶ ص: ۵۴۱

۳۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے تفسیر القرآن العظیم سورۃ الحجرات آیت: ۱۰

علمی و فکری مسائل میں تحقیق و جستجو کے نتیجے میں مگر تحقیق کا مقصد حق کو پانا ہو اور اخلاص و للہیت کے جذبے سے ہو آراء میں اختلاف پیدا ہو جائے تو یہ مذموم نہیں ہوتا بلکہ یہ کسی معاشرہ میں زندگی کی علامت ہوا کرتا ہے۔ فکری جمود پر باجھ معاشرے مردہ ہوتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں بار بار تعقل، تفکر، تدبر، مشاہدہ کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے نتیجے میں جو اختلاف رائے سامنے آتا ہے وہ انسانی فطرت پیدا کرتا ہے اور تحقیق میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایسا اختلاف قابل مذمت نہیں مگر اس سے آگے بڑھ کر طعن و تشنیع کرنا اور اپنی رائے کو ناقابل تغیر جان کر دین ہی سمجھ لینا انتہا پسندی کا رویہ ہے۔ عہد رسالت مآب اور دور صحابہ میں ایسے اختلافات کی مثالیں ملتی ہیں۔ اس اختلاف کی نوعیت کو بڑے ہی احسن پیرائے میں حضرت علی نے بیان فرمایا:

وقال له بعض اليهود مادفنتم نبيكم حتى اختلفتم فيه؟ فقال له: انا اختلفنا عنه لافيه اى فى اخبار وردت عنه لافى صدقه واصول الاعتقاد بدينه. وكنكم ماجفت ارجلكم من البحر حتى قلتم لنبيكم لاجعل لنا الها كما لهم الهة[1]

بعض یہودیوں نے حضرت علی سے کہا: تم اپنے نبی کو دفن کرنے سے پہلے ہی آپس میں اختلاف کرنے لگے تھے۔ حضرت علی نے فرمایا: ہمارا نبی کی ذات میں اختلاف نہیں تھا، اس بات میں اختلاف تھا کہ نبی کا خلیفہ کس کو ہونا چاہیے اور تمہارے پاؤں تو ابھی سمندر کے پانی سے خشک نہیں ہوئے تھے کہ تم نے کہا ہمارے لئے بھی ایک ایسا معبود بنا دیں جیسا ان کا معبود ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ، تحقیق عبدہ، جلد اول، مطبع عیسیٰ البابی مصر، ص: ۲۱۲

اس ارشاد سے اہل علم میں اختلاف کی نوعیت بالکل واضح ہو جاتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر صاحب علم حق المقدور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقوش عمل کو پانے کی جستجو میں ہے۔ یہ طرز اختلاف جذبہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکاس ہے اور اسے انتہا پسندی کا مظہر نہیں بننا چاہیے۔

ایسے اختلافات کے لئے عموماً ایک روایت پیش کی جاتی ہے جسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اختلاف امتی رحمة[1] اگر یہ موضوع ہے علامہ خطابی نے بہتہ اختلاف کی تین جہتیں ذکر کی ہیں وہ ضرور قابل ملاحظہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اختلاف تین طرح کا ہے۔

(ا) اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کا اختلاف و انکارہ کفر۔

(ب) صفات مشیت کا اختلاف و انکار همابدعة

(ج) فروعی احکام کا اختلاف جب نص میں کئی احتمالات ہوں۔ جعلہ رحمة وکرامة للعلماء[2] اسی لئے علماء کے ہاں یہ بات مشہور ہے "ہماری رائے درست ہے مگر اس میں خطا کا احتمال موجود ہے اور فریق مخالف کی رائے غلط ہے مگر صحت کے احتمال سے خالی نہیں۔ عبدالغنی نابلسی نے بڑی عمدہ بات لکھی:

واعلم ان اختلاف المذاهب فی هذه الملة نعمة كبيرة وفضلية جزيلة عظيمة وله سر لطيف ادركه العالمون وعمى عنه الجاهلون.

۱: کشف الخفاء جلد اول، ص: ۱۵۳

۲۔ کشف الخفاء جلد اول، ص: ۷۶

۳۔ خلاصة التحقيق فی بيان حكم التقليد والتفليق عبدالغنی نابلسی

ترکی ۱۹۸۱

علامہ غلام رسول سعیدی نے اس سلسلہ میں لکھا ہے:

''فروعی مسائل میں اختلاف امت کے لئے رحمت اور وسعت کا باعث ہے اور یہ ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح بعض میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے، بعض میں ہے، آپ نے ناف کے نیچے باندھے بعض احادیث میں ہے آپ نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا، بعض میں ہے: آپ نے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی رفع یدین کیا۔ اسی طرح آپ نے نماز میں آہستہ آمین بھی کہی ہے اور بلند آواز سے بھی، آئمہ اربعہ میں ہر امام نے آپ کی کسی نہ کسی حدیث پر عمل کیا ہے، اگر یہ اختلاف نہ ہوتا اور یہ سب ایک ہی طریقہ سے نماز پڑھتے تو آپ کے کئے ہوئے باقی اعمال متروک ہو جاتے۔ اس اختلاف آئمہ کے سبب کا کوئی عمل متروک نہیں ہوا اور آپ کا ہر عمل کسی نہ کسی امام کا مذہب بن کر قیامت تک کے مسلمانوں کی عبادات میں محفوظ ہو گیا تو اس اختلاف کی اس سے بڑھ کر اور کیا رحمت ہوگی''۔

ا۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال لاہور، ۱۹۹۸ء، جلد ۲، ص: ۲۹۵

بین المذاہب انتہا پسندی

حق یہ ہے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ ، یورپ سے درگزر

میری اس تحریر کا بنیادی موضوع تو مختلف اسلامی فرقوں میں موجود انتہا پسندانہ رویوں کے محرکات کا جائزہ اور تعلیمات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں اس کا حل پیش کرنا ہے۔ بعض حلقوں نے ان رویوں پر تنقید کرتے ہوئے ایک دوسرا انتہا پسندانہ رویہ اختیار کیا۔ اسلام کے خلاف تضحیک آمیز روش اختیار کر لی۔ یہاں اجمالاً اس نکتہ نظر کو پیش کرنا چاہتا ہوں کہ علمی و فکری اختلافات کے نتیجہ میں تعصب و تشدد نے دوسرے مذاہب میں بھی جنم لیا۔

قرآن کریم یہود و نصاریٰ کے انتہا پسند ہونے کی اطلاع دیتے ہوئے بتاتا ہے کہ یہود نے نصاریٰ کے دین کو بے اساس کیا اور نصاریٰ نے یہود کے دین کو بے بنیاد قرار دیا۔

ان دونوں گروہوں کی ان آراء کے تناظر میں قرآن نے یہ واضح کر دیا کہ تعصب میں علم و جہل کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔[1]

یہود نے انبیاء کو ناحق قتل کیا[2]

اور اپنے احبار کو ''ارباب'' بنالیا[3] انہوں نے اللہ کو بھی فقیر کہہ دیا[4] ید اللہ مغلولۃ کے نازیبا کلمات بھی کہہ گزرے۔ ان کی باہمی مذہبی عداوت کا تذکرہ ان

۱۔ البقرۃ ۱۱۳ ۲۔ البقرۃ:۹۱ آل عمران:۱۱۲، ۲۱

۳۔ التوبہ ۳۱ ۴۔ آل عمران ۱۸۱

الفاظ سے کیا گیا ہے۔'' یہودیوں کے مذہبی فرقوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی جن میں باہم عداوت قائم تھی۔[۱]

یہ تو ان کے انتہا پسندانہ افکار و نظریات کا حال ہے ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ انہوں نے جو کیا اس کی مثال " اصحاب الاخدور "[۲] کے قصص ہیں۔

سید ابوالحسن علی ندوی کے بقول: '' چھٹی صدی کے آخر میں یہودیوں اور عیسائیوں کی باہم رقابت و منافرت اس حد کو پہنچ گئی کہ ان میں سے کوئی دوسرے فریق کو ذلیل کرنے اور اس سے اپنی قوم کا انتقام لینے اور مفتوح کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔''[۳]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے بھی اپنے معتقدات و افکار میں انتہا پسندانہ طرز عمل اپنایا۔ حضرت عیسیٰ کو الوہیت کے مرتبہ پر فائز کر دیا اور رہبان کو ارباب کا درجہ دے دیا اور رہبانیت ایجاد کر لی۔[۴]

ان دونوں مذاہب کے افکار کی بناء پر قرآن نے اہل کتاب کو''لا تغلو فی دینکم'' کی نصیحت فرمائی۔ رہا عیسائیوں کے مختلف فرقوں کی محاذ آرائی تو جارج سیل نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ گرجا کے پادریوں (clerg) نے مذہب کے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن کو نیکی کو مفقود کر دیا تھا، اصل مذہب کو بھول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے۔''[۵]

۱۔ ندوی، سلیمان، سیرت النبی، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ۱۹۹۱، جلد ۴، ص ۱۳۵

۲۔ سورۃ البروج: ۴

۳۔ علی ندوی، ابوالحسن، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص ۴۷

۴۔ التوبہ: ۳۱، الحدید ۲۶

۵۔ سیرت النبی جلد ۴ ص ۱۲۵

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے باہمی اختلافات کا نتیجہ یوں بیان کیا "اس سے واضح ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے اپنے ملک اور اپنے ہم مذہب کو قربان کر دیا تا کہ انہیں اپنے مذہب مد مقابل فریق پر فتح حاصل ہو سکے۔ا

دنیا کے بڑے مذاہب کے دوسرے مذاہب سے متعلق طرز فکر اور ان کے باہمی اختلافات کی سنگینی کا یہ مختصر جائزہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ جب ہر مذہب میں یہ خرابیات موجود رہا ہے تو صرف مسلمانوں کو ہی طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن اہل اسلام کو یہ غور کرنا ہے کہ دوسرے مذاہب میں ایسے افکار سے کیا نتائج نکلے؟ اور ہمیں آج کیا کردار ادا کرنا ہے۔؟

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ا۔ضیاء النبی جلد اول ص ۱۵۴

رشتۂ دیوار و در تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
مت جلا اس کو یہ گھر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
کھا گئی کل ناگہاں جن کو سیاست کی صلیب
ان میں ایک نورِ نظر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
کیوں لڑیں آپس میں ہم، ایک ایک سنگِ میل پر
اس میں نقصانِ سفر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے

مکتبہ جمالِ کرم
Voice: 92-42-7324948 Cell: 0321 4300441